بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۲۳
اردو کا کلاسیکی ادب
مقالاتِ سرسیّد
مرتبہ
مولانا محمد اسماعیل پانی پتی
ناشر
مجلسِ ترقیِ ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور
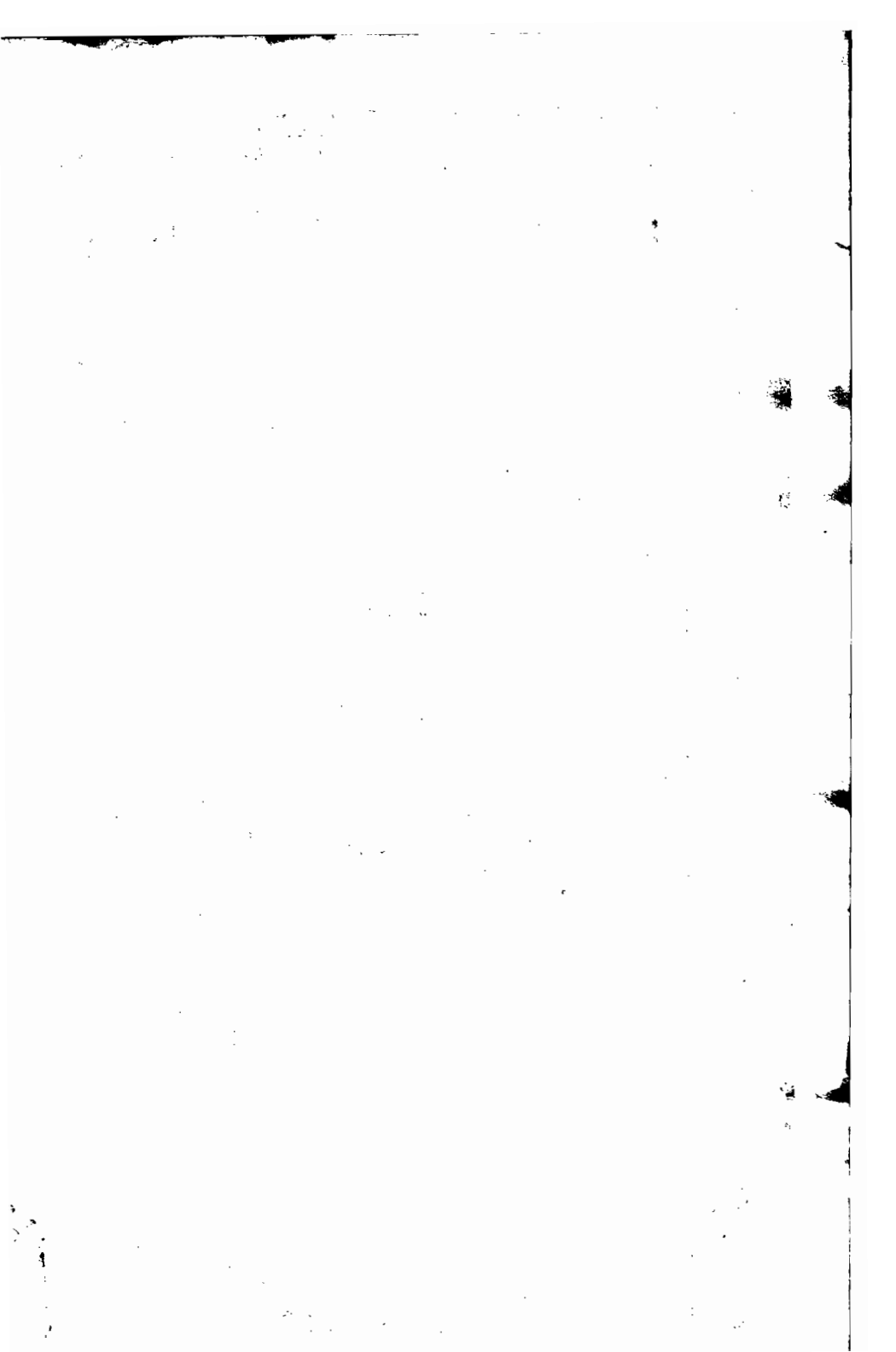
مقالات سر سید حصہ نہم

جملہ حقوق محفوظ

طبع دوم : جون ۱۹۹۲ء

تعداد : ۱۱۰۰

ناشر : احمد ندیم قاسمی
ناظم مجلس ترقی ادب ، لاہور

مطبع : مکتبہ جدید پریس
ریلوے روڈ ، لاہور

طابع : رشید احمد چودھری

قیمت : ۵۰ روپے

فہرس

حصہ نہم
ملکی و سیاسی مضامین

نامہذب ملک اور نامہذب گورنمنٹ

(تہذیب الاخلاق جلد ششم بابت یکم رمضان ۱۲۹۲ھ
صفحہ ۱۴۵ تا ۱۴۹)

ملک جب نامہذب ہوتا ہے تو ضرور کچھ نہ کچھ گورنمنٹ میں ناتہذیبی آجاتی ہے اور جب گورنمنٹ مہذب ہوتی ہے تو کسی نہ کسی قدر تہذیب ملک میں ہوتی جاتی ہے۔

ملک کا نا مہذب ہونا تو اس ملک کے باشندوں کا نا مہذب ہونا ہوتا ہے کیونکہ جب یہ کہیں کہ انگلینڈ، فرانس، جرمن، امریکہ نہایت مہذب ملک ہیں تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہاں کے رہنے والے تہذیب و تربیت یافتہ ہیں۔ ہندوستان کو جو نا مہذب یا نیم وحشی ملک بتایا جاتا ہے اس کا یہی سبب ہے کہ یہاں کے رہنے والے نا مہذب یا نیم وحشی گنے جاتے ہیں۔

مگر ہم کو غور کرنا چاہیے کہ گورنمنٹ کا نا مہذب ہونا کیا چیز ہے؟ اور مسلمانی گورنمنٹیں جس قدر ہیں ان کے نا مہذب ہونے کا کیا سبب ہے؟

گورنمنٹ کا فرض یہ ہے کہ جن لوگوں پر وہ حکومت کرتی ہے ان کے حقوق کی، خواہ وہ حقوق مال و جائداد سے متعلق ہوں، خواہ کسب و پیشہ و معاش سے، خواہ آزادی مذہب و آزادی رائے اور آزادی زندگی سے، ان کی محافظ ہو؛ غیر مساوی قوتوں سے کسی کو نقصان نہ پہنچنے دے، کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور سے پناہ میں رکھے۔ ہر شخص اپنی ملکیت سے اپنے ہنر سے پورا پورا متمتع ہو۔

اور اُس کا مہذب ہونا یہ ہے کہ ان تمام فرائض کے پورا کرنے کو قوانین اُس کی سلطنت میں جاری ہوں، ہر شخص ادنٰی سے اعلٰی تک یہاں تک کہ خود گورنمنٹ بھی اُن قوانین کے تابع ہو اور وہ قانون ایسے ہوں کہ تمام رعایا کے حقوق اُس کی رو سے مساوی ہوں اور اُس کے ساتھ وہ قوت بھی ہو (جس کو گورنمنٹ کہتے ہیں) اور جو ہر شخص کو بلا لحاظ مرتبہ اُن قوانین کا پورا پورا مطیع کرے؛ جس گورنمنٹ میں یہ چیزیں نہیں، ہیں وہ گورنمنٹ نا مہذب و نا تربیت یافتہ کہلاتی ہے اور اُس کے ملک میں کبھی امن نہیں رہتا۔ ملک کی، مال کی، دولت کی، قوم کی، رعایا کی کبھی ترقی نہیں ہوتی۔

اس اصول کا نتیجہ تمام مسلمانی سلطنتوں میں پایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمانی سلطنت اس وقت دنیا میں ایسی موجود نہیں ہے جس پر مہذب گورنمنٹ کا اطلاق ہو سکے، یا اُس کا ملک اور اُس کی رعایا ترقی یافتہ حالت میں ہو، یا وہاں کی رعایا کو اپنے تمام حقوق مالی و ذاتی حاصل ہوں، یا اپنے مال و ذات پر بالکلیہ امن رکھتی ہو، یا کمزور مستحق کو غیر مستحق زور آور کا اندیشہ نہ ہو۔

ایسی قوم کی گورنمنٹ جو دینی اور دنیوی دونوں کاموں میں اپنے تئیں پابند و مجبور اُن احکام کا سمجھتی ہے جس کو اُس نے مذہبی احکام تسلیم کر رکھا ہے، اُس کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ کوئی دنیوی کام بھی بغیر مذہبی سند یا بدون مذہبی اجازت کے نہیں کیا جا سکتا اور جس طریقہ پر کوئی دنیوی کام پہلے ہو چکا ہے اُس سے مختلف طریقہ پر کوئی دنیوی کام بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ لوگ اس بات کو بھی تحقیق کرنا نہیں چاہتے کہ

درحقیقت اُس مذہب میں جس کے وہ پیرو ہیں وہ ایک اصلی حکم ہے جس میں کچھ شبہ نہ ہو ، یا نہیں ۔ بلکہ وہ صرف اگلوں کی رائے یا فعل پر بلا دریافت سبب کے اعتماد کلی رکھتے ہیں اور اُس کے برخلاف کو مذہبی حکم کی برخلافی سمجھتے ہیں ، گو کہ اصلی حکم مذہب کا اُس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو ۔ اس قسم کے لوگوں کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ وہ اس بات میں بھی مذہبی سند کی تلاش کرتے ہیں کہ بریچ الودر بندوق کا استعمال جائز ہے یا نہیں ۔ سپاہیوں کو تنگ و چست وردی پہنانا درست ہے یا نہیں ۔ جزیرۂ عرب میں ریل بنانا خلاف مذہب ہے یا نہیں ۔ یہاں تک کہ ریل میں سوار ہونے کی نسبت بھی مذہبی اجازت کے خواہاں ہوتے ہیں ۔

ایسا ملک اور ایسی قوم ہمیشہ تنزل کی حالت میں رہتی ہے ۔ تہذیب و شائستگی کی ہوا بھی وہاں تک نہیں جاتی ۔ کوئی مستحکم قانون اُس کے ہاں نہیں ہوتا ، کسی شخص کے حقوق محفوظ نہیں ہوتے ۔ کوئی شخص مال سے پورا پورا تمتع حاصل نہیں کر سکتا ، نہ کبھی ملک میں امن ہوتا ہے ۔

کل مسلمان گورنمنٹوں کا جو کہ اس وقت دنیا میں موجود ہیں ، اُن کا یہی حال ہے ۔ سب سے مقدم و مکرم مسلمانی گورنمنٹ جو اس وقت دنیا میں موجود ہے وہ سلطان ٹرکی کی گورنمنٹ ہے جس کو لوگ سلطنت روم کہتے ہیں ۔ اگرچہ سلطنت ٹرکی نے بہت سی باتوں میں تبدیلی کی ہے جس سے جان بلب کی حالت سے کسی قدر سنبھلی ہے ، لیکن اب بھی اُنھی اسباب سے مرض الموت میں گرفتار ہے ۔

کوئی سال امن کا اُس میں نہیں گذرتا ، کبھی کریٹ میں فساد ہے اور کبھی شام میں ، کبھی عرب میں تلوار چل رہی ہے

اور کبھی یونان کے کنارہ میں - زمانۂ موجودہ میں ادھر هرزی گرونا باغی هو رها هے اور آدهر سرویا - کوئی قانون دیوانی یا فوجداری کا موجود نہیں هے - کوئی ایسا آزاد محکمہ جو ٹھیک انصاف کرے پیدا نہیں هے ؛ جو محکمے برائے نام هیں وہ خود اپنے احکام کی تعمیل میں ، ڈگریات کے اجراء میں ، مظلوم کو اُس کا حق پہنچانے مین قادر نہیں هیں - جج جو قاضی کہلاتے هیں آزاد نہیں هین - یا تو اپنے سے اوپر کے افسر کے یا کسی اعلیٰ اهل خاندان کے رعب میں ، یا کسی با وقعت شخص کی سفارش کے پھندے مین اور ان سب پر خود اپنے تعصب مذهبی کے حال میں - اور اُس سے بھی زیادہ رشوت ستانی کی عادت میں پھنسے ہوئے هیں - نتیجہ اس کا یہ هے کہ کسی کو گورنمنٹ پر طمانیت نہیں هے ، کسی شخص کو اپنا حق پانے کی پوری توقع نہیں هے ، کسی غیر مذهب والے کو پورا پورا انصاف ملنے کی اُمید نہیں هے ؛ ملک تنزل میں هے ، تجارت ابتر حالت میں هے ، کوئی کمپنی تجارت کی اپنا کام جاری نہیں کرتی - ملک میں سونے ، چاندی ، تانبے ، لوهے ، ٹین کی ، کوئلے کی کانیں بھری پڑی هیں - مگر کوئی کمپنی نہیں کھڑی هوتی - کسی قسم کی تجارت ترقی نہیں پاتی ، تمام ملک کی آمدنی دوسرے ملک مین یا تو قرضہ کے سود میں یا هتیاروں کی خرید میں چلی جاتی هے - قرض پر گذران هے - وہ بھی اپنے ملک میں نہیں ملتا - غیر ملکوں کی رعایا سے بمنت و خوشامد لیا جاتا هے اور یہ نتیجہ تمامہ اُسی غلط خیال کا هے جس کے بموجب دینی و دنیوی دونوں قسم کے کاموں کو مذهب میں شامل سمجھا هے - و انتم اعلم بامور دنیاکم کے جملہ کو چھوڑ دیا هے -

یہ حال جو هم نے لکھا کچھ سلطنت اسلامیہ روم هی کا

نہیں ہے بلکہ تمام چھوٹی بڑی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے ۔ ایران کا حال دیکھ لو ، افغانستان و ترکستان پر نظر ڈالو ، ہندوستان کی چھوٹی چھوٹی مسلمان ریاستوں کو دیکھ لو ۔ تو سب کا ایک سا حال ہے ، ہاں بعض مسلمانی ریاستوں نے کسی قدر تبدیلی کی ہے اور وہ بقدر تبدیلی کے کسی قدر اچھی حالت میں ہوتی جاتی ہیں اور ایسی ریاستیں اس وقت صرف دو ہیں جن کا نام لیا جا سکتا ہے ۔ ٹونس اور مصر ۔

چند مہینے ہوئے کہ امیر الامراء سید خیرالدین وزیر ٹونس نے اُن مقدمات کے انفصال کے لیے جو سلطنت بیلجم کے رہنے والوں میں باہم ، یا اُن میں اور ٹونس کی رعایا کے درمیان ہوں ، ایک جداگانہ محکمہ مقرر کیا تھا جس میں تین جج اجلاس کریں ۔ قاضی ٹونس پہلا جج ہو اور ایک اور جج ٹونس کا اور ایک جج بیلجم کا شریک ہو ، جس سے ملک کو اور انتظام مملکت اسلامیہ کو بڑا فائدہ پہنچا ۔ گو قاضی و مفتی کہا کیے کہ ایسا کرنے کے لیے کوئی مذہبی سند نہیں ہے ، مگر وہ وزیر روشن ضمیر خوب سمجھتا تھا کہ امورات دنیوی سے احکام مذہبی کو کچھ تعلق نہیں ہے ۔

پٹیالہ اخبار بہ سند الجوائب ہم کو خبر سناتا ہے کہ خدیو مصر اسماعیل پاشا نے بھی بہ منظوری حضرت سلطان روم سلطان عبدالعزیز خاں خلد اللہ ملکہ کے اسی قسم کے محکمے مقرر کیے ہیں چناں چہ اُس اخبار میں اُن کے تقرر کی کیفیت حسب مندرجہ ذیل لکھی ہے ۔

ہر شخص جانتا ہے کہ مصر میں دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں جو دعوے ہوتے تھے اُن کے فیصلے کی کیا شکل ہوتی تھی ۔ دستور یہ تھا کہ اگر مدعی دیسی ہو اور مدعا علیہ

پردیسی رعیت ریاست غیر ، تو مدعی اس بات پر مجبور ہوتا تھا
کہ اپنے دعویٰ کو اُس بالیوز کے ہاں دائر کرے جو
مدعا علیہ کی گورنمنٹ کی طرف سے مامور ہو ۔ پھر اگر بالیوز کا
فیصلہ مدعی کے برخلاف ہو اور وہ اُس کی اپیل کیا چاہے تو
اُس کو مدعا علیہ کی گورنمنٹ کے ملکی محکموں کی طرف رجوع
کرنا پڑے گا ۔ مثلاً اگر مصری مدعی ہو اور امریکی مدعا علیہ
تو بے چارے مصری کو اپیل کرنے امریکہ جانا پڑے گا ۔

یہ قاعدہ مصر میں مدت سے جاری تھا اور جن غیر سلطنتوں سے
عہد نامے ہیں اُن کے حقوق میں داخل تھا ۔ اس صورت میں جو
جھگڑے دیسی اور پردیسیوں کے آپس میں ہوتے تھے اُن کی
حالت نہایت خراب اور غیر منتظم تھی ۔ اہل مصر کی یہ تکلیف
اور دقت دیکھ کر یہ قاعدہ خدیو مصر کے دل میں کانٹے کی طرح
کھٹکتا تھا ۔ چناں چہ خدیو ممدوح آٹھ برس سے اس بات کی کوشش
کر رہے تھے کہ یہ قاعدہ موقوف ہو جائے اور چاہتے تھے کہ
اس کے عوض ایسے نئے محکمے جاری ہو جائیں کہ جن میں بے دقت
انصاف ہو ۔ چناں چہ سلطنت روم کی مدد اور اَور سلطنتوں کے
اتفاق رائے سے جن کے ساتھ رابطۂ اتحاد قائم ہے، اس کوشش کا
یہ ثمرہ ہوا کہ ان دنوں حسبِ مراد خدیو مصر تین محکمے
قائم ہو گئے ۔ ایک خاص مصر میں ، دوسرا اسکندریہ میں ، تیسرا
اسماعیلیہ میں ۔

ان محکموں کے ممبر آدھے دیسی اور آدھے پردیسی ہیں اور
افسر کل دیسی ہیں اور اسکندریہ میں جو محکمہ قائم ہوا ہے وہ
اپیل کا محکمہ ہے ۔ اسی وجہ سے اسکندریہ میں اس کی کل رسمیں
ادا ہوئیں ۔

گو ان محکموں کے بعض ممبر، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان

کیا ہے ، پردیسی ہوں گے ، مگر اس وجہ سے کہ اُن کا تقرر حکومت مصر کی طرف سے ہے اور اُن کی معاش کا انتظام بھی حکومت مصر ہی کے ذمہ ہے اور اُن کی ٹوپی ترکی ہوگی اور لباس عثمانی ہوگا ، اس وجہ سے وہ پردیسی نہ سمجھے جائیں گے بلکہ مصر کے قاضی سمجھے جائیں گے - پس یہ محکمے بالکل مصری محکمے ہوں گے - اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جو مقدمے ان محکموں میں بطور ابتدائی یا نظر ثانی یا اپیل کے دائر ہوں گے اُن پر کمال عدل اور انصاف سے حکم ہوگا - علیٰ ھذا جو دعویٰ پردیسیوں (یعنی رعایا سلطنت ہائے غیر) کی طرف سے ان محکموں میں دائر ہوں گے ، اُن میں بھی اسی طرح انصاف ہوگا اور انھی محکموں سے قطعی فیصلہ ہوگا - پس اب اور آئندہ کوئی مقدمہ ایسا نہ ہوگا جس کے سننے کا حق بالیوزوں کے محکموں کو حاصل ہو - جو خوبیاں اس نئے قاعدے میں ہیں وہ بیان کی محتاج نہیں ہیں اور جو کہ دیسی اور پردیسی دونوں اس قاعدے سے فائدہ اُٹھائیں گے اس لیے سب اس نیک کام سے خوش ہیں -

ان نئے محکموں کے جاری ہونے کی کیفیت یہ ہے کہ دو شنبہ کے دن جمادی اولیٰ کی چوبیسویں اور جون کی اٹھائیسویں تاریخ پہلے شریف پاشا وزیر حقانیہ و تجارت مصر نے راس التین نامی شہر حکومت واقع اسکندریہ میں ان محکموں کے ججوں کو جن میں آدھے مصری اور آدھے رعایائے ممالک غیر تھے ، نہایت مہربانی اور عزت کے ساتھ اکٹھا کیا - پھر اپنے ساتھ راس التین کے درباری کمرے میں لے گئے - اس کمرے میں محمد توفیق پاشا وزیر صیغۂ امور داخلی اور منصور پاشا اور اسماعیل صدیق پاشا اور بعض اور اُمرائے دولت مصر پہلے سے موجود تھے -

جب دربار جم چکا تو جناب خدیو مصر مصاحبوں سمیت

درباری کمرے میں رونق افروز ہوئے اور بہ ہیئتِ مجموعی تمام درباریوں کا سلام لیا ۔ پھر جناب خدیو نے اہل دربار کی طرف مخاطب ہوکر زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :

تقریر خدیوِ مصر

ہمارے نہایت بزرگ اور صاحبِ شوکت حاکم حضرت سلطان معظم (یعنی سلطان روم) کی مدد اور اُن سلطنتوں کی موافقت سے جو ہم سے رابطہ دوستی رکھتی ہیں ، مجھے امور عدالت کی بناء اصلاح اور نئے محکموں کے اجراء کی اجازت حاصل ہوئی ہے ۔

یہ میری خوش نصیبی ہے کہ میں اپنے گرد ذی عزت ججوں کا ایک ایسا مجمع دیکھتا ہوں کہ عدل اور انصاف اُن کے ہاتھ میں کمال امنیت اور وثوق کے ساتھ سونپا گیا ہے ۔

تم لوگوں کی روشن عقلیں ، امنِ کامل کے تمام فائدوں کی ذمہ دار ہیں ۔ تم لوگوں کی تجویزیں مسلّم اور ناطق اور معتبر اور لوگوں کی عزت اور اطاعت کا وسیلہ ہوں گی ۔

انشاء اللہ یہ بات دنیا میں مشہور ہوگی اور تواریخ مصر میں لکھی جائے گی اور زمانۂ حال کے نئے تمدن کے دائرہ کا نقطۂ مرکز ٹھہرے گی ۔ مجھے یقین کامل ہے کہ خدا کی اعانت اور عنایت سے یہ امر عظیم آئندہ کی امن و امان کا باعث ہوگا ۔

جب یہ تقریر ختم ہو چکی تو اہلِ دربار نے تھوڑی دیر سکوت کیا اور پھر اظہار سرور اور ادائے شکر اور مبارک باد کی طرف مائل ہوئے جناں چہ شریف پاشا نے تمام ججوں کی طرف سے نیابتاً زبان فرنچ میں مندرجہ ذیل تقریر کی :

جناب عالی ! میں حضور سے اجازت چاہتا ہوں کہ بہ حیثیت

وزیر حقانیہ ججوں کی طرف سے نیابتاً حضور کو مبارکباد دوں که اس قاعدے کے مقرر ہونے اور ان محکموں کے جاری ہونے سے بہت بڑی ترقی کا اثر ظاہر ہوا۔ میں حضور سے آسید وار ہوں کہ حضور یہ مبارکباد اور شکریہ قبول فرمائیں ۔

مجھے آمید ہے کہ یہ جج لوگ حضور کے اعتماد کے بموجب سلطنت کے حالیہ اور آئندہ فائدوں کے لیے دل و جان سے کوشش کریں گے ۔ کیوں کہ عدل و انصاف جو آن لوگوں کا کام ہے، آس کے یہی معنی ہیں، کہ یہ لوگ اپنے عہدہ کا حق نہایت ہوشیاری اور دیانت اور شرافت کے ساتھ ادا کرتے رہیں ۔

حضور کے فرمان بردار کو یقین ہے کہ یہ لوگ حضور کی رائے روشن کے فیض سے سعادت امنیت حاصل کر کے اپنے عہدہ کے فرائض جیسا کہ چاہیے، ادا کریں گے اور آثار حسنہ کے پھیلانے میں نہایت مؤثر مدد دیں گے اور اس بزرگی کے حاصل کرنے پر حریص ہوں گے کہ آن کے نام نامی ہماری اولاد کے لوح دل پر نقش ہو جائیں ۔

اس قاعدے کا جاری ہونا قطع نظر اس کے کہ سلطنت مصر کی حالیہ اور آئندہ سرسبزی سے علاقہ رکھتا ہے، یہ کتنی بڑی بات ہے کہ حضور کے عہد حکومت کی خوبیوں میں سے ایک بے نظیر یادگار ہے ۔

اس تقریر کے ختم ہونے کے بعد کل ممغولہ کے وزراء اور عمائد مجلس خاص (پریوی کونسل) اور افسران بری و بحری اور حکام ممالک اور تاجران معتبر اور افسران بنک نے درجہ بدرجہ جناب خدیو کی حضور میں مبارکباد دی اور شکر ادا کیا ۔ پھر لوگ خوشی اور شادمانی کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں کچھ

شک نہیں ہے کہ رسم افتتاح نہایت خوبی کے ساتھ ادا ہوئی ۔

ڈیڑھ گھنٹے کے بعد غیر سلطنتوں کے سفیروں نے علی الترتیب رو برو استادہ ہوکر ان محکموں کے کھلنے کی مبارک باد دی اور اس بات کا شکریہ ادا کیا کہ مختلف سلطنتوں کے اتفاق رائے اور تائید سے حضور نے صیغۂ عدالت میں معقول اصلاح کی اور دعا دی کہ یہ رسم افتتاح روز بروز ملک مصر کے تمدن اور ترقی کا باعث ہو ۔

کیسی خوشی کی بات ہے کہ اس موقع پر خدیو مصر و شریف پاشا نے فرنچ میں اسپیچ کی ۔

دنیا میں دو قسم کے امور ہیں ، ایک روحانی اور دوسرے جسمانی ، یا یوں کہو کہ ایک دینی اور دوسرے دنیاوی ۔ سچا مذہب امور دنیاوی سے کچھ تعلق نہیں رکھتا ؛ ہاں چند معظم باتوں کو، جن کا اثر اخلاق پر زیادہ تر ہے اور گو وہ دنیاوی ہوں بیان کر دیتا ہے ۔ کچھ شبہ نہیں ہے کہ اسلام بھی جو بے شک ایک سچا مذہب ہے، انہی اصول پر مبنی ہے اور ہمارے رسولؐ مقبول کا یہ قول کہ ما اتاکم من امر دینکم فخذوہ و ما نہاکم عنہ فانتہوا ، اس پر دلیل کامل ہے اور قرب زمانۂ نبوت میں اسی اصول پر عملدرآمد رہا اور کچھ کچھ اس کا اثر عہد خلفاء تک بھی باقی رہا ۔ جنھوں نے حد سماعت مقدمات کی تیس برس اور پھر پندرہ برس اور دعوائے شفع کے لیے حد سماعت ایک مہینہ مقرر کی اور گواہ سے قسم لینے اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں رکھنا تجویز کیا ۔ جس کی کوئی سند یا اجازت مذہب میں نہ تھی ، مگر رفتہ رفتہ وہ عمدہ اصول بالکل نسیاً منسیاً ہو گیا ۔

اگلے زمانہ کے نیک اور متدیّن، مگر مذہب کی طرف زیادہ متوجہ عالموں نے یہ خیال کیا کہ جہاں تک ہو سکے ہر ایک کام کسی مذہبی سند پر کیا جاوے۔ پس جو واقعہ یا امر پیش آتا اُس کے لیے فکر کرتے کہ اُس کو کس مذہبی سند سے متعلق کریں اور پھر خواہ مخواہ کھینچ تان کر اور تاویلات و استدلات دور از کار کر کر، کسی نہ کسی سند کے متعلق کر دیتے تھے۔ یا کسی اصول عام کے، جس کو خود اُنھوں نے قائم کیا تھا، تابع کر دیتے تھے۔ اُن علماء کے اقوال و استدلات رفتہ رفتہ مدون ہونے لگے جن کی بدولت کتب فقہ و اصول فقہ ہمارے ہاں پیدا ہو گئیں۔ اُس زمانہ میں تمام لوگ اُن علماء کے اقوال و استدلال کو ایک رائے سے زیادہ رتبہ کا نہیں سمجھتے تھے۔ مگر رفتہ رفتہ خود اُن علماء کے اقوال بطور سند کے تصور ہونے لگے اور پھر ایک زمانہ کے بعد وہی مذہب اسلام سمجھا گیا اور شرع اُس کا نام ہو گیا اور غیر مذہب والوں نے شرع محمدی اُس کا نام رکھا اور جو نقائص اُس میں معلوم ہوئے اُس سے اسلام میں اُنھوں نے نقص سمجھے۔ حالاں کہ اسلام اُس سے بالکل بری ہے۔ اگر بالفرض تمام اجتہادات و استدلالات حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ میں نقص ثابت ہو جاوے تو بھی اسلام میں کچھ نقص نہیں آتا۔ وہ جیسا خدا کے ہاں سے اُترا، ویسا ہی پاک و صاف ہے۔

اس طریقہ سے جو علماء نے اختیار کیا ایک یہ فائدہ تو بلا شبہ ہوا کہ مسلمانی فقہ ایسی عمدہ اور موجہ و مدلل ہو گئی کہ کسی قوم میں ویسی عمدہ فقہ نہیں، مگر مفصلہ ذیل نقصان بھی پیدا ہوئے۔

اول یہ کہ تمام لوگوں کے خیالوں میں یہ غلط مسئلہ جم گیا کہ مذہب اسلام تمام دنیاوی امور سے بھی متعلق ہے اور کوئی دنیاوی کام بے سند یا اجازت مذہبی کے نہیں کیا جا سکتا ۔

دوسرے یہ کہ جو مسائل علماء نے اپنے اجتہاد و قیاس سے و بلحاظ حالاتِ وقت و عادتِ اہل زمانہ یا رواجِ ملک قرار دیے تھے اگر وہ مسائل رتبہ میں بطور رائے ایک عالم یا جج یا مفتی و قاضی کے رہتے تو کچھ نقصان نہیں تھا ، مگر نقصان یہ ہوا کہ وہ عین مذہب اسلام کے مسائل قرار پا گئے اور سوائے پیغمبر خدا صلعم کے اور بہت سے لوگوں کو مرتبہ شارع ہونے کا مل گیا ۔

تیسرے یہ کہ اب اُن مسائل کے برخلاف کرنا خلاف مذہب اسلام کے کرنا تصور ہوا جو فی الحقیقت ایسا تصور کرنا خلاف مذہب اسلام ہے، نہ اُس کے برخلاف کرنا ۔

چوتھے یہ کہ جب یہ خیال جما کہ مسائل مذکورہ عین مذہب اسلام ہے تو ضرور ہوا کہ اُس کو خدا کا دیا ہوا مانا جاوے اور جب خدا کا دیا ہوا مانا گیا تو ضرور ہوا کہ اُس کو کافی اور کامل سمجھا جاوے ۔ اس خیال نے اس بات پر مائل کیا کہ کتبِ فقہیہ واسطے سیاست ملکیہ کے بالکل کافی ہیں اور اب ہم کو نہ سول کوڈ کی ضرورت ہے، نہ سول پرسیجر کی ، نہ کریمنل کوڈ کی ضرورت ہے نہ کریمنل پرسیجر کی ، نہ ریونیو کوڈ کی ضرورت ہے اور نہ ٹریڈ کوڈ کی ، حالانکہ کتبِ موجودہ فقہیہ ان میں سے ایک کے لیے بھی کافی نہیں ہیں ۔

ان تمام نقصوں نے کل سلطنت ہائے اسلامیہ کو ڈبو دیا اور

غارت و برباد کر دیا اور جو رہی سہی ہیں وہ بھی غارت و برباد ہوتی جاتی ہیں ۔ قبول کرو کہ علمائے متقدمین اسلام بڑے عالم تھے ، بڑے ذہین تھے ، بڑے فلسفی تھے ، منتظم تھے ، مگر جو کچھ کہ اُنھوں نے دنیاوی امور کی نسبت کیا اور لکھا وہ اُس زمانہ کی حالت کے نہایت مناسب تھا اور یہی سبب تھا کہ اُس زمانہ میں سب سے مقدم اور سب سے اعلیٰ اور سب سے بڑے فتح مند تھے ۔ مگر زمانہ روز؟

ہندوستان اور انگلش گورنمنٹ

(از ''آخری مضامینِ سر سید'')

اور آخرکار جو ہونا تھا وہ ہوا اور جو ہونا ہے وہ ہوگا۔ ایک عظیم مصیبت ہندوستان پر غدر ۱۸۵۷ء کی گذر چکی تھی۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ ہندوستان میں تہذیب کی کمی تھی اور ہندوستانی نہیں سمجھتے تھے کہ گورنمنٹ جس کی ہم رعیت ہیں، ہم پر اس کا کیا حق ہے اور ہمارا اس کے ساتھ کیا فرض ہے؟ اور تعلیم کی کمی سے آپس میں حاکم و محکوم میں ارتباط بھی کم تھا۔

اس زمانہ کے قریب ہندوستان میں یونیورسٹیاں قائم ہوئیں، جن کا مقصود ہندوستانیوں کو انگلش ایجوکیشن میں اعلیٰ درجہ تک تعلیم دینا تھا۔ بہت سے مدبّرانِ ملک، ہندوستانیوں کو اعلیٰ درجہ کی تعلیم دینی پسند کرتے تھے اور کچھ نا پسند کرتے تھے اور گورنمنٹ کا فرض قرار دیتے تھے، مگر اس بات پر کسی کا خیال نہ تھا کہ تعلیم کے ساتھ تربیت کا ہونا بھی لازم ہے۔ کیوں کہ صرف تعلیم سے آدمی نہیں بنتا اور اس کے اخلاق درست نہیں ہوتے، بلکہ وہ ایک منہ زور گھوڑے کی مانند ہوجاتا ہے جو سوار کے قابو میں نہیں رہتا۔ تعلیم کا درخت جو ہندوستان میں بویا گیا وہ بنگال میں اور جنوبی ہندوستان میں بڑا ہوا۔ بخوبی پھلا اور پھولا اور بار آور ہوا۔ مگر آخرکار بارِ خاطر ہوا نہ یارِ شاطر۔ اپر انڈیا کے باشندوں نے عام طور پر

اور تمام ہندوستان میں مسلمان قوم نے اس سے فائدہ حاصل نہیں کیا۔ مسلمانوں نے اب اس سے فائدہ اٹھانا شروع کیا ہے۔ معلوم نہیں کہ پھل لانے یعنی اعلیٰ تعلیم تک پہنچنے کے بعد وہ بھی بار خاطر ہوں گے یا یار شاطر۔ مگر ہماری رائے یہ ہے کہ اکثر اشراف خاندان کے مسلمان لڑکوں کو اعلیٰ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ہوئی اور درستی اخلاق کا بھی سبق پڑھایا گیا۔ آن کی عمدہ سوسائٹی بن گئی، جو درستی اخلاق کے لیے نہایت ضرور ہے۔ تو اعلیٰ تعلیم تک پہنچنے پر وہ بار خاطر نہ ہوں گے بلکہ یار شاطر ہوں گے۔ بہرحال اس وقت جو تعلیم ہندو بنگالیوں کو، بمبئی کے پارسیوں کو، بمبئی و پونا کے برھمنوں اور مرھٹوں کو دی گئی اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم کہا جاتا ہے اس سے ہندوستان کے حق میں کوئی اچھا پھل ہاتھ نہیں لگا۔ پہلے تو انھوں نے اپنے تئیں اعلیٰ درجہ کا تعلیم یافتہ اور اعلیٰ درجہ کا اسٹیٹسمین یعنی مدبر امور سلطنت سمجھ لیا۔ پھر اس بات کے درپے ہوئے کہ انگلش گورنمنٹ جس طرح کہ یورپ میں حکومت کرتی ہے، اسی طرح ہندوستان میں حکومت کرے اور گورے کالے اور فاتح مفتوح میں کچھ فرق نہ سمجھے۔ پھر انھوں نے اس تعلیم سے ایک لفظ آزادی کا سیکھا اور اس کے معنی یہ سمجھے کہ جو کچھ منہ میں آوے یا خیال میں گذرے بلحاظ اس بات کے کہ وہ صحیح ہے یا غلط، موقع ہے یا بے موقع، اس کی تائید کے لیے کافی دلیلیں ہیں یا نہیں، اس سب کو کہنا اور چھاپنا اور تمام ہندوستان میں شائع کرنا ہے۔

پھر انھوں نے ایک لفظ ایجی ٹیشن کا سیکھا اور کہا کہ دیکھو آئرلینڈ والے کیسا ایجی ٹیشن گورنمنٹ کی تجویزوں پر کرتے ہیں۔ انجمنیں اور سوسائٹیاں ایجی ٹیشن کے لیے بناتے ہیں

اور اسپیچوں اور تحریروں مین جو کچھ چاہتے ھیں کہتے ھین ۔
پھر ان کے خیال مین گذرا کہ انگریزی گورنمنٹ اسی قسم کی گورنمنٹ ھے ۔ کہ وہ علم ایجی ٹیشن سے ڈرتی ھے اور جب تک ایجی ٹیشن نہ کیا جاوے اس وقت تک کوئی مطلب انگلش گورنمنٹ سے حاصل نہین ھو سکتا ۔
پھر وہ سمجھے کہ ایجی ٹیشن جب تک عام نہ ھو اور عام رعایا یا ملک کے باشندے ایجی ٹیشن پر متفق نہ ھوں ۔ اس وقت تک نہ ایجی ٹیشن ھو سکتا ھے اور نہ مفید ھوتا ھے انھوں نے ایجی ٹیشن کے عام کرنے پر کوشش شروع کی ۔
جب تک کہ گورنمنٹ کی برائیاں صحیح یا غلط، واجب یا نا واجب عام لوگوں مین نہ پھیلائی جاویں ۔ اس وقت تک بمقابلہ گورنمنٹ کے عام ایجی ٹیشن کی بنیاد قائم ھی نہیں ھو سکتی ۔ اس خیال پر نیشنل کانگرس کا وجود ھوا اور اس نے گورنمنٹ کی نسبت جہاں تک ھو سکا ۔ برائیوں کو تمام ھندوستان میں پھیلایا اور جن باتوں پر اس سے پہلے لوگوں کو خیال بھی نہ تھا ۔ ان کو ایک برائی کے پیرایہ مین بیان کر کر لوگوں کو چوکنا کر دیا اور برٹش گورنمنٹ کی صورت کو ایک خود غرض گورنمنٹ اور ھندوستان کو لوٹنے والی گورنمنٹ بنا کر لوگوں کو دکھایا اور اپنے گروہ کو ایک تعلیم یافتہ لوگوں کا گروہ قرار دیا ۔ جن کی پیروی ان تمام لوگوں نے اختیار کی جو کالجوں سے تعلیم پا چکے تھے اور جو تعلیم پا رھے تھے ۔ یہاں تک کہ اسکول کے لڑکوں نے جو اے ۔ بی ۔ سی ۔ ڈی کا تلفظ بھی بخوبی ادا نہیں کر سکتے تھے ۔ ان کی پیروی کرنا اور تعلیم یافتہ گروہ مین شامل ھونا اپنا فخر سمجھا ۔
ھم ھرگز اس بات کے قائل نہین ھین کہ ایجی ٹیشن کرنے

والوں کا جو گروہ ہے اس کی نیت گورنمنٹ سے بغاوت کرنا یا لوگوں کو بغاوت پر آمادہ کرنا ہے۔ مگر جو کچھ اُنھوں نے کیا اور جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس سے عام ناراضی کا گورنمنٹ سے پھیلانا لازم اور ضروری ہے اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ وہ ناراضی اکثر بلکہ عموماً ناواجب اور محض بے جا ہے اور اس سے از خود باغیانہ خیالات لوگوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

بے شک یہ ناراضی پھیلانے والے اپنے تئیں خیر خواہ اور وفادار گورنمنٹ کا کہتے ہیں اور غالباً سچ بھی ہو۔ مگر جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ اس سے عام رعایا میں ناراضی اور گورنمنٹ سے برخلافی پیدا ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ لوگوں کی باہمی بات چیت میں جو گورنمنٹ سے متعلق ہے۔ ٹرن بدلی ہوئی ہے۔ تمام یا قریباً تمام اخباروں کی وہ اُردو زبان کے ہوں یا ہندی کے یا مرہٹی زبان کے ہوں یا گجراتی کے یا انگریزی زبان کے ہوں جو ہندوستانیوں کی جانب سے جاری ہیں تو بدلی ہوئی ہے اور اس بات سے کہ انھی وجوہات سے بہ نسبت سابق کے عام لوگوں کے دلوں میں گورنمنٹ سے ناراضی پھیل گئی ہے۔ کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

مسلمان سوائے بعض کے اب تک نیشنل کانگرس میں اور اس کے ایجی ٹیشن میں شامل نہیں ہوئے ہیں اور جو شامل ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے نہیں سمجھا کہ اس سے قوم کو اور ملک کو کیا نقصان پہنچنا ہے اور آئندہ پہنچے گا۔

جو لوگ کہ ایجی ٹیشن کی مخالفت کرتے ہیں ان کی نسبت ایجی ٹیشن کرنے والے کہتے ہیں کہ وہ گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں۔ مگر ان کا جو دل چاہے کہیں۔ ایجی ٹیشن سے مخالفت کرنے والے اپنے دلی یقین سے یہ سمجھتے ہیں کہ گورنمنٹ اگر

ان ایجی ٹیشن کرنے والوں کی درخواستیں منظور کر لے (حالاں کہ ایسا ہونا ناممکن ہے) تو ہندوستان کے انتظام اور اس کے امن امان میں خلل عظیم واقع ہوگا اور اسی یقین پر وہ ان کی مخالفت کرتے ہیں نہ گورنمنٹ کی خوشامد سے ۔

اگرچہ مسلمان نیشنل کانگرس کے ایجی ٹیشن میں شریک نہیں ہوتے لیکن اکثر ان اخباروں نے بھی سوائے بعض کے جو مسلمان ایڈیٹروں کے ہاتھ میں ہیں اور اخباروں کی دیکھا دیکھی اپنے جامہ سے قدم باہر رکھ دیا ہے اور مضامین کی تحریر میں ان کے قلم میں بھی کوئی روک نہیں رہی ، جو نہایت افسوس کے قابل ہے مگر ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ اگر بالفرض ہندوستان کے تمام ہندو اور مسلمان نیشنل کانگرس کے ساتھ ایجی ٹیشن میں شریک ہو جاویں ، اور تمام اخبار ہندو اور مسلمانوں کے مضامین خلاف واقع اور برخلاف گورنمنٹ لکھنے پر متفق ہو جاویں ، تو بھی گورنمنٹ کا کچھ نقصان نہیں ہونے کا ۔ ہاں بمجبوری گورنمنٹ کو دائرہ آزادی کو اس وقت سے زیادہ تنگ کرنا پڑے گا اور بمجبوری اس کو ہندوستانی اخباروں کی آزادی چھین لینے پر قانون بنانا ہوگا اور یہ گورنمنٹ کا کچھ قصور نہیں ہوگا ۔ جو کچھ گورنمنٹ کرے گی وہ ہندوستانیوں ہی کی بد اعمالی کی سزا ہوگی ۔

کون کہہ سکتا ہے کہ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو گورنمنٹ نے تمام ہندوستان سے ہتھیار چھین لیے اور بغیر لائیسنس کے کسی کو ہتھیار رکھنے کی اجازت نہیں دی ، اس میں گورنمنٹ کا کچھ قصور ہی نہیں ، بلکہ یہ ہندوستانیوں کے اعمال کی سزا ہے ۔ جو انہوں نے غدر ۱۸۵۷ء میں کیے تھے ۔ ہر ایک انصاف کرنے والا سمجھتا ہوگا ۔ کہ ہندوستانیوں نے اپنی بد اعمالی ایسے درجہ کو

پہنچا دی تھی کہ گورنمنٹ کو مجبور قانون اسلحہ کا جاری کرنا پڑا تھا -

جن لوگوں نے اس زمانہ میں* ترکی فتحیابی ہندوستان میں متعدد جلسے کیے اور سلطان کو مبارک بادی کے تار اور ایڈریس بھیجے - وہ خود سمجھتے ہوں گے - کہ اس خفیف الحرکتی سے کیا نتیجہ ہے - یورپ کی سلطنتوں کی پالیسی ٹرکی کی نسبت جو ہوئی ہے وہ تبدیل نہیں ہو سکتی - ہندوستان کے مسلمان سلطان ٹرکی کی کیا مدد کر سکتے ہیں اور اس خوشی منانے سے سلطان کو کیا فائدہ ہوا اور ہندوستان کے مسلمانوں کو جنھوں نے یہ خوشی منائی کیا نتیجہ حاصل ہوا - بجز اس کے کہ چند حمقا اور جاہلوں نے یہ سمجھا کہ سلطان ٹرکی کی فتحیابی پر خوشی منانے والے نہایت پکے مسلمان ہیں - جو سلطان کی فتحیابی پر خوشی مناتے ہیں اور خوشی منانے والوں نے اپنی بزرگی اور تقدس کو احمقوں اور جاہلوں کے نزدیک ثابت کرنا چاہا-

ہم جب ان کو بڑا دیندار سمجھتے کہ وہ روس کی رعیت ہوتے اور سلطان ٹرکی کی فتحیابی پر اس طرح پر جشن مناتے اور خوشیاں کرتے ، معلوم نہیں کہ کتنے آدمی پھانسی پاتے اور کتنے گولی سے مارے جاتے اور کتنے سائبیریا بھیجے جاتے - غالباً گورنمنٹ نے بھی اس کو نا پسند کیا ہوگا مگر یہ انگلش گورنمنٹ کا رحم ہے ، جس نے ان باتوں پر کچھ مواخذہ نہیں کیا -

تمام ہندوستان کے باشندوں کی اور بالتخصیص مسلمانوں کی خیر و عافیت اسی میں ہے ، کہ سیدھی طرح انگلش گورنمنٹ کے سایہ عاطفت میں اپنی زندگی بسر کریں اور خوب سمجھ لیں کہ مذہب اسلام کی یہی ہدایت ہے - کہ جن کی ہم رعیت ہو کر

اور مستامن ہو کر رہتے ہیں ۔ ان کے ساتھ وفادار رہیں ، اور ان کی بد خواہی نہ اپنے دل میں لاویں نہ بد خواہوں کے ساتھ شریک ہوں ۔ آن کو اپنا دنیوی شہنشاہ اور خداوند تعالیٰ جل شانہ' کو شہنشاہوں کا شہنشاہ اور اپنا مالک حقیقی سمجھتے رہیں ۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے بوستاں میں لکھا ہے ۔ شعر :

سزد گر بدورش بنام چناں　　　که سیّد بدورانِ نوشیروان

جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا شکر فرماتے تھے کہ وہ سلطان عادل یعنی نوشیروان کے عہد میں پیدا ہوئے ، نوشیروان آتش پرست بادشاہ تھا ، لیکن عادل تھا ۔ اس کے زمانہ میں پیدا ہونے پر اگر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا شکر کیا ہے تو ہم کو ایسے بادشاہ کی رعیت ہونے سے جس نے ہمارے مذہبی امور بجا لانے میں ہم کو کمال آزادی دے رکھی ہے کیوں نہ خدا کا شکر بجا لاویں اور اس کی درازیِ عمر و دولت و اقبال کی کیوں نہ خدا سے دعا کریں ۔

امپریس اور وائسرائے

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ۵ مئی ۱۸۷۶ء)

ملکه معظمه گریٹ برٹن و آئرلینڈ اب ہندوستان کی امپریس یعنی (شہنشاہ) ہیں - کوئین کی حیثیت سے ملکه ممدوحه پر بلحاظ اُس حلف کے جو تخت نشینی کے دن انہوں نے اٹھایا تھا یه فرض ہے که وہ اپنی انگریزی رعایا پر اُن کے قوانین مقررہ کے بموجب حکمرانی کریں اور وہ اپنے ممالک واقع سلطنت برطانیه میں اپنے وزیروں کے ذریعه سے حکمرانی کرتی ہیں جو ملکه ممدوحه کے تمام سرکاری کاموں کی نسبت پارلیمنٹ اور انگلستان کے باشندوں کے سامنے جواب دہ ہیں کیونکه قاعدہ کے بموجب ملکه معظمه بذات خود کوئی نا انصافی نہیں کر سکتی ہیں - علٰی ہذا ہندوستان کی امپریس کی حیثیت سے بھی وہ ایک ایسی بادشاہ ہیں جو قانون کا پابند ہو اور گو ملکه ممدوحه نے اپنی ہندوستان کی نسبت تخت نشینی کے وقت کوئی حلف نہیں اٹھایا ہے اور خاندان مغلیه کے بادشاہان سابق نے بھی در حقیقت اس قسم کا کوئی حلف نہیں اٹھایا تھا مگر ایسے حلف کے نه ہونے سے ہندوستان کے امپریس اور جزائر برطانیه کے کوئین ہونے کی حیثیت سے ملکه معظمه کے رتبه میں کوئی بڑا فرق نہیں ہو سکتا بلکه برخلاف اس کے ہندوستان کی امپریس ہندوستان کے باشندوں پر اُن ہی قوانین و ضوابط کے بموجب حکمرانی کیا کریں گی جن کے بموجب انہوں نے اب تک حکمرانی کی ہے - گو ہندوستان کے تمام راجے

یہ بات تسلیم کریں گے کہ حضور ملکہ معظمہ کو بہ لحاظ بادشاہت کے سب سے بڑا رتبہ اور اختیار حاصل ہے مگر صرف حضور ممدوحہ کی مرضی بمنزلہ کسی قانون کے بھی نہیں ہے اور وہ اپنی طبیعت سے کچھ کر بھی نہیں سکتی ہیں اور صاحب وائسرائے بہادر بھی خاص امپریس کے اس قدر جواب دہ نہیں ہیں جیسے کہ وہ حضور ممدوحہ کے وزرائے سلطنت کے ہیں اور اُن کے ذریعہ سے پارلیمنٹ اور علی العموم سب لوگوں کے جواب دہ ہیں ۔

ہم یقین کرتے ہیں کہ اس باب میں لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے اور بعض ہندوستانی راجے یہ توقع کر رہے ہیں کہ امپریس آف انڈیا کے اختیارات کے سامنے صاحب وائسرائے بہادر کو کچھ اختیار حاصل نہ ہوگا اور حضور ممدوحہ اس نئے خطاب کے بموجب ایک نئی عدالت اپیل کے اختیارات عمل میں لاویں گی ۔ پس اس امر کا نہایت صاف صاف طور پر بیان کرنا مناسب ہے کہ خطاب کی تبدیلی سے حضور ملکہ معظمہ کا رتبہ کسی طرح تبدیل نہ ہوگا اور صاحب وائسرائے بہادر کے اختیارات اس وجہ سے کہ جزائر برطانیہ کی ملکہ معظمہ ہندوستان کی امپریس ہو گئی ہیں کسی طرح پر کم نہ ہوں گے اور یا اُن میں کچھ تغیر واقع نہ ہوگا ۔ پارلیمنٹ کو اب بھی سب سے زیادہ اختیار حاصل ہوگا جیسا کہ سابق میں اُس کو حاصل تھا اور بغیر اُس کی مرضی کے ملکہ معظمہ امپریس کا خطاب بھی شاید اختیار نہیں کر سکتی تھیں ۔ صاحب وائسرائے پارلیمنٹ اور حضور ملکہ معظمہ کے وزیروں کی مرضی کے اس سے بھی زیادہ تابع ہیں ۔ یعنی پارلیمنٹ کی عام منظوری کے بغیر کوئی وائسرائے ہندوستان میں عرصہ دراز تک اپنے عہدہ پر نہیں رہ سکتا ۔ علاوہ اس کے اگر

ضرورت ہو تو جناب ملکہ معظمہ کے وزراء صاحب وائسرائے
ہندوستان کو واپس طلب کر سکتے ہیں بشرطیکہ وزرائے موصوف
ہمیشہ پارلیمنٹ کی منظوری حاصل کر لیں، کیونکہ اگر پارلیمنٹ
صاحب وائسرائے کے موید ہوگی تو آن کی برطرفی منسوخ
ہو جاوے گی اور وزیروں کو بمجبوری استعفا دینا پڑے گا۔
علاوہ اس کے جب تک وزرائے سلطنت اور پارلیمنٹ کو
وائسرائے پر اعتماد ہوگا آس وقت تک اس ملک سے کوئی عرضی یا
اپیل یا شکایت بشرطیکہ وہ وائسرائے کی معرفت نہ بھیجی جاوے
ہندوستان کے امپریس یا انگریزی پارلیمنٹ تک پہنچ نہیں سکتی۔
اگرچہ بادشاہان مغلیہ کی حکومت سلطنت برطانیہ کی گورنمنٹ کے
قبضہ میں آئی ہے مگر انگریزی عہد میں وہ حکومت خود رائے
نہیں رہی سلطنت مغلیہ میں بادشاہ خود مختار ہوتا تھا اور وہ
کسی شخص کا جواب دہ نہیں ہوتا تھا اور آس کی مرضی بمنزلہ
قانون کے بلکہ اکثر اوقات قانون سے بھی کچھ بڑھ کر ہوتی تھی
سلطنت مغلیہ میں پارلیمنٹ کا سا جلسہ نہیں ہوتا تھا اگرچہ
روزانہ دربار ہوتے تھے مگر امرائے دربار اور وزیروں کو صرف
یہی فکر ہوتی تھی کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق عمل کریں
اور آس کے رو برو ایسی بات کہیں جس سے وہ خوش ہو۔
غرض کہ کسی شخص کی یہ جرأت نہیں ہوتی تھی کہ خاص
اپنی رائے کو آزادانہ طور پر ظاہر کرے علاوہ اس کے
سلطنت مغلیہ میں مذہب اسلام کے سبب سے بادشاہ کے ذمہ بڑی
پابندی تھی جیسے کہ آس سے پہلے ترکوں اور افغانوں کے
عہد میں تھی۔ بادشاہ اکبر کے عہد سے اورنگ زیب کے زمانہ تک
بادشاہ وقت نے علماء کی حکومت اور اختیار کو بالکل منسوخ
کر دیا اور اکبر اور جہانگیر اور شاہ جہان کے عہد میں علماء کو

به نسبت اُس کے کچھ اختیار حاصل نہ تھا جیسا کہ انگلستان میں
ملکہ ایلزبتھ کے عہد میں مذہب رومن کیتھولک کو حاصل تھا۔
پس ان صورتوں میں شاہان مغلیہ کے اختیارات بے انتہا تھے
اگرچہ کوئی سرکش گورنر کسی دور دراز صوبہ میں یا کوئی
باغی راجہ کسی ملک میں بادشاہ سے مقابلہ کرتا تھا مگر
تمام دربار اور دارالسلطنت اور اُس کے گرد و نواح کے تمام
صوبوں میں بادشاہ کی حکومت سب پر غالب تھی اور خاندان
مغلیہ کا ہر ایک بادشاہ قانون اور عدل و انصاف کے برخلاف
عمل کر سکتا تھا اور جس شخص کو چاہے پھانسی دے سکتا تھا
اور اُس کی عورت اور بچوں کو بطور غلام کے بازار میں فروخت
کر سکتا تھا، اور اُس کی جائداد کو ضبط کر سکتا تھا۔ عوام کی
رائے کی کچھ وقعت نہیں کی جاتی تھی، پارلیمنٹ کا کچھ اختیار
نہیں ہوتا تھا اور کوئی موروثی امیر ایسے نہیں ہوتے تھے جن
میں سے کوئی بادشاہ کے احکام کے عدل و انصاف کی نسبت زبان
ھلائے اور لوگوں کی تمام قومی ھمت اور تمام آزادی اور
جوش طبیعت بادشاہ کی خود مختاری کے سبب سے پست ھوگیا تھا
اور اس ظلم و ستم کی روک ٹوک صرف لوگوں کی بغاوت سے
ہوتی تھی۔ دربار کی یہ کیفیت تھی کہ لوگوں کے رشتہ داروں کو
اُن کی آنکھوں کے سامنے بغیر کسی قانون یا انصاف کے ایذا دی
جاتی تھی یا وہ قتل کیے جاتے تھے اور اُن کی یہ جرأت نہیں
ہوتی تھی کہ وہ اس کی نسبت اپنی ناخوشی بھی ظاھر کریں
سلطنت مغلیہ کے امراء بادشاہ کے غلام تھے اور اگر بادشاہ کے
جی میں آتا تھا تو وہ اُن کی ترقی اپنی سلطنت میں نہایت
اعلیٰ درجہ کے عہدوں پر کر دیتا تھا یا اُن کو ایسا ذلیل
کرتا تھا جیسے کہ مجرموں کی حالت ہوتی ہے۔

گورنمنٹ انگریزی کی حکومت بھی اسی طرح خود مختار رهی هے مگر ابتداء سے اُس کو ایک اعلٰی درجه کا مقصد مد نظر رها هے یعنی اُس نے همیشه اس باب میں کوشش کی هے که وه اپنے ملک کا انتظام انگلستان کے باشندوں کی عام رائے اور اُس طریقه عدل و انصاف کے مطابق کرے جو ایشیا اور یورپ والوں میں برابر جاری هو - جب کبھی گورنمنٹ موصوف کا کوئی کام نکته چینی کے لائق هوتا هے تو به نسبت هندوستان کے انگلستان کے باشندے اُس کی نسبت زیاده تر واویلا مچاتے هیں اور یه ایک ایسا امر هے که وه ملکی مطالب کے لحاظ سے نهایت وقعت کے لائق هے - چنانچه جب که وارن هیسٹنگز صاحب اس فوج میں جو روهیلوں پر حمله کرنے کے واسطے بھیجی گئی تھی شامل هوئے تھے تو هندوستان کے باشندوں نے اُس کی نسبت کوئی مخالف رائے ظاهر نهیں کی اور جس وقت صاحب ممدوح نے اودھ کی بیگمات کا مال و اسباب لوٹنے میں مدد دی تو نواب وزیر کو اُس کے سبب سے بڑا خوف هوا مگر بنگاله کے باشندوں نے اُس کی نسبت بھی کچھ واویلا نهیں کی بلکه بخلاف اس کے وه صاحب ممدوح کے نهایت ثنا خواں رهے اور اگر شکایت کی تو صاحب ممدوح کے هم وطنوں هی نے کی اور یه شکایت نهایت تلخ لفظوں میں سلطنت برطانیه کی پارلیمنٹ میں ظاهر کی گئی اور جب تک انگریزوں کو یه یقین رها که صاحب موصوف نے بڑی نا انصافی اور ظلم کیا اُس وقت تک اُنھوں نے اُن کی عمده عمده خدمات کی جانب کچھ توجه نه کی لیکن همارے زمانه میں انتظام ملک کی صورت کسی قدر تبدیل هو گئی هے اور انگریزی انتظام کے سبب سے لوگوں کو یه جرأت هو گئی هے که وه اب

عام معاملات کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرتے ہیں جس کو وہ هندوستانی حکومت میں کبھی نہیں ظاہر کر سکتے تھے - گو چالاک یا جاہل آدمی اس قسم کی رائے کسی فاسد نیت سے ظاہر کریں مگر تاہم یہ امر کافی ہے کہ جب کبھی حکام سے کوئی اصلی نا انصافی سرزد ہو تو وہ رائے سنی جاوے - انگلستان میں به نسبت اس ملک کے عوام کی رائے کی نہایت زیادہ وقعت کی جاتی ہے مگر جو اثر انگلستان میں عوام کی رائے کا ہندوستان کے انتظام پر ہوتا ہے اُس کو ہماری دانست میں ہندوستان کے باشندے کچھ وقعت کے لائق نہیں خیال کرتے اور اب تک انگلستان کی پارلیمنٹ کو مختلف سرکاری ملازموں کا حاکم بالادست نہیں سمجھتے بلکہ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو راجے اپنی گدی سے اتارے جاویں اُن کے استغاثہ کے واسطے وہ ایک عدالت ہے اور کوئی لائق منتظم اُس بات کے جاننے سے خوش ہو کہ ہندوستانیوں نے اُس کی خدمتوں کی قدر شناسی کی مگر سب سے بڑا صلہ اس کو اس وقت حاصل ہوگا جب کہ اس کے ہم وطن اس کی خدمتوں کی قدر شناسی کریں - افسوس ہے کہ آج کل انگلستان والوں کی رائے وارن ہیسٹنگز کے عہد کی به نسبت کچھ زیادہ معقول نہیں ہے اور وہ لوگ اب بھی اہل یورپ کی اُن خدمتوں کی جانب التفات نہیں کرتے جس کو وہ نہایت ایمانداری اور وفاداری کے ساتھ انجام دیں اور وہ ہندوستانی حاکموں کی بے جا اور بے انتہا شکایتوں کو فوراً سن لیتے ہیں مگر ہم اُمید کرتے ہیں کہ آئندہ زمانہ میں انگریزوں کی رائے عام معاملات میں زیادہ عمدہ ہوگی - ہندوستانیوں کے واسطے یہ بات نہایت خوشی کی ہے کہ وہ بھی اب اُس حق میں شریک ہوتے جاتے ہیں

جو انگریزوں کو پیدائش سے حاصل ہے اور وہ اب ایک خود مختار حکومت کے غلام نہیں ہیں بلکہ ایک ایسی گورنمنٹ کی رعایا ہیں جو قوانین کی پابند ہے اور جس کے عہد میں آن کی خواہشیں اور حاجتیں عوام کے رو برو پیش کی جاتی ہیں اور آن پر توجہ کی جاتی ہے - ۹

بعض سرکاری انتظاموں سے رعایا کیوں متنفر ہے؟

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ۱۳مارچ ۱۸۷۴ء)

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری گورنمنٹ نصفت شعار نے صرف بنظرِ نفع رسانی مخلوق کے بہت سے ایسے انتظام کر رکھے ہیں کہ اگر اُن کے اصل منشاء کے موافق رعایا کو فائدہ پہنچایا جاوے تو اس کا فائدہ بے انتہا ہو اور اس کے لحاظ سے رعایا پر بے انتہا شکر گزاری لازم ہو۔ مگر افسوس ہے کہ ایسے بے نظیر اور عمدہ انتظاموں کو ہندوستان کی اکثر رعایا نہایت ناپسند کرتی ہے اور بعض اوقات اس کا تنفر اس درجہ بڑھ جاتا ہے کہ اگر اس پر تشدد کیا جاوے تو رعایا اُس کو ایسا سلوک سمجھتی ہے جیسا کہ ایک مجرم کے ساتھ بنظر اُس کی سزا کے کیا جاتا ہے۔ دیکھو مثلاً شفاخانوں کا جاری کرنا ہی ایک ایسا انتظام ہے جو سراسر رعایا کی بہبودی کا سامان ہے اور اگر رعایا اُس سے حسب منشاء گورنمنٹ سے فائدہ حاصل کرنے کا قصد کرے تو اس میں بہت ہی کچھ فائدہ رعایا کا متصور ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستانی رعایا سرکاری شفاخانوں سے نہایت متنفر رہتی ہے اور اگر بعض اوقات شفاخانہ کے علاج پر رعایا کو مجبور کیا جاوے تو وہ اس علاج کو موت سے کچھ کم نہیں سمجھتی۔ یا مثلاً ٹیکہ کا محکمہ ہے جس کے اجراء سے سراسر فائدہ رعایا کا ہے

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب کسی محلہ میں کوئی ٹیکہ والا
پہنچتا ہے تو اُس محلہ کے لوگ اُس کو نہایت خون خوار آنکھوں
سے دیکھتے ہیں اور اپنے بچوں کو گھروں میں لے جا کر چھپا
دیتے ہیں اور اگر بہ جبر کسی کے بچہ کو پکڑ لیا تو بعض اوقات
ان کے ماں باپ روتے پیٹتے ہیں - یا مثلاً ایک زمانہ میں
چوکیداری کا ٹیکس تجویز ہوا تھا جس کی تعداد نہایت قلیل تھی
اور اُس کے فائدے نہایت اعلیٰ درجہ کے تھے مگر ہمیشہ رعایا
اس کو ایک قہرِ الٰہی کہتی رہی اور ہمیشہ ہر محلہ میں ایک
شور و غل رہا کہ آج فلاں شخص کے کواڑوں کا نیلام ہے اور
کل فلاں شخص کی چارپائی کا نیلام ہے - اب محکمہ چنگی ہے کہ
اُس کے فائدے بھی بے انتہا ہیں مگر اس سے تمام مخلوق نالاں ہے
اور وہ اپنی زندگی کو اُس کے سبب سے نہایت تلخ سمجھتی ہے -
پس ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس کا کیا سبب ہے اور ہندوستان
کی رعایا کیوں ایسی وحشیانہ حالت میں ہے کہ گورنمنٹ کے
مشفقانہ انتظامات سے بھی وہ رنجیدہ رہتی ہے - آیا اس کا سبب
فی الواقع رعایا ہی کی طرف سے پیدا ہوا ہے یا گورنمنٹ کے انتظام
میں کوئی قصور ہے - چناں چہ غور کرنے کے بعد جہاں
تک ہم کو یقین ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اس کا سبب صرف رعایا
یا صرف گورنمنٹ ہی کی طرف سے نہیں ہے بلکہ طرفین سے ہے اور
ہر ایک کا ایک ایک سبب ہے - جو سبب رعایا کی طرف سے
پیدا ہوا ہے وہ تو صرف یہ ہے کہ بلا شبہ ہندوستان کی رعایا
اپنے جہل کے سبب سے کسی مفید بات کی حقیقت کو نہیں
دریافت کر سکتی اور جس قسم کے منافع پر ایسے انتظام مشتمل
ہوتے ہیں اُن سے ہرگز اُس کو اطلاع نہیں ہے اور یہ بات
بالکل سچ ہے کہ بہت سے کاموں کو وہ ایسے اندھا دھندی سے

کرتی ہے کہ اُس کے سبب سے اس کو وحشیانہ حالت سے نکلنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔یہاں تک وہ تاریکی میں مبتلا ہے کہ وہ مذہبی امور سے علاوہ دنیوی معاملات میں بھی رسم و رواج کی نہایت پابند ہے اور جس کام پر اس کو ایک مدت سے عادت ہے اب اس کو اس عادت کا ترک کرنا نہایت سخت مشکل ہو گیا ہے ۔ چناں چہ یہاں تک وہ بے خبر ہے کہ علاج کے طریقہ میں بھی وہ بالکل آباء و اجداد کے طریقہ پر چلنے کے سوا اور کچھ نہیں جانتی ۔ حکیم صاحب کے روبرو مریض کا جا کر بیٹھنا اور پرانے طریقہ کے موافق کچھ معمولی حال عرض کرنا اور حکیم صاحب کا بے سنے سنائے اُس کی کلائی پر ھاتھ رکھ کر (خواہ وہ کہیں ہو اور خواہ وہ اس کو کسی طرح پکڑ لیں) بے دھڑک مونف کا سنی لکھ دینا اور مریض کا اُس کاغذ کو سپرد کر کے عطار سے دوا مانگ لینا اور عطار کا ایک بوتل میں سے تمام جہان کے شربت اور ایک شیشہ میں سے تمام جہان کے عرق دے دینا ہندوستانیوں کی حالت پر نہایت افسوس دلاتا ہے اور جو خطرہ اس طریقہ سے ہندوستانیوں کو لاحق ہے وہ از بس مضرت کا باعث ہے ۔ مگر ہمارے ہندوستانی بھائی ایسے بے پروا اور مرنے پر ایسے دلیر ہیں کہ اُن کو ہرگز مرنے کی پروا نہیں ہے ۔ مگر پرانے طریقہ کو نہ چھوڑنے پر اصرار ہے ۔ پس یہ سب باتیں سراسر اُن کے جہل پر مبنی ہیں ۔ ہندوستانیوں میں زچہ کے علاج اور چیچک والے کی جو تدبیریں ہوتی ہیں اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ وہ قطعاً موت کے سامان ہوتے ہیں ۔ گو یہ امر آخر ہے کہ کوئی شخص زندہ رہ جاوے اور ان دونوں علاجوں میں زیادہ دخل اُن کی جہالت کو اور کسی قدر دخل اُن کی طرز معاشرت کو بھی ہے اور یہ ہم نے اس واسطے تفصیل کی

ہے کہ اگر بعض ہندوستانی واقف بھی ہوں اور اپنی واقفیت سے کچھ کرنا چاہیں تو اُن کی طرز معاشرت اور اُن کی خانہ داری کے برتاؤ اور بعض قولی دستور اُن کو ایسی تدبیر سے باز رکھتے ہیں اور اُس کا ثمرہ آخرکار یہی ہوتا ہے کہ عورتیں اور بچے ضائع ہو جاتے ہیں۔ ہم کو یہ بات بہ تجربہ معلوم ہوئی ہے کہ ہندوستان میں نوجوان عورتیں مرض دق میں بہت زیادہ مرتی ہیں اور اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ جو بےاعتدالیاں بوقت ولادت ہوتی ہیں اُن کے سبب سے وہ رحم کی خرابی میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور جو حرارت اُن کو اس وجہ سے لگ جاتی ہے اُس کو دق کہا جاتا ہے اور وہ اُن کی جان کو تباہ کر دیتی ہے اور یہ موقع نہایت رحم کا ہے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ واقف کار ہندوستانی اس مصیبت کو خوب جانتے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس چیچک کے مرض میں ہندوستانیوں کے عجیب عجیب کرشمے ہوتے ہیں۔ایک تو یہ خبط ہے کہ اُس کو خام فہم ضعیف الاعتقاد ہندوستانی آسیب اور بھوت خیال کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے مریض کو ایسے تنگ و تاریک اور بند مکان میں رکھتے ہیں کہ وہاں صحیح المزاج قوی شخص بھی مر جاوے،نہ کہ چھوٹی عمر کے ضعیف بچے۔اور دوسرے یہ کہ اس مرض میں کسی قسم کی تدبیر اور علاج کو نہایت برا سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شائستہ حضرات علاج کی طرف رجوع فرماتے ہیں تو وہ ایسی حار اور یابس ادویہ کا استعمال کرتے ہیں کہ وہ بہت جلد مریض کا کام تمام کر دیتا ہے۔اور چیچک کے مریض کے ساتھ ان کے ایسے برتاؤ سے اور اس کثافت سے اور میلے پن سے جو اُن کے ہاں ہوتا ہے اور اس بےخبری سے جو اُن کی عادت میں داخل ہے،یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ جس

کو شدت سے چیچک نکلتی ہے وہ یا کانا ہو جاتا ہے یا اندھا ہو جاتا ہے ، یا اُس کے ہاتھ پیر رہ جاتے ہیں یا کسی کی ناک بگڑ جاتی ہے یا کسی کے کان خراب ہو جاتے ہیں ۔ غرض کہ اُس کی صورت انسانیت کے اشکال مختلفہ سے متجاوز ہو کر خدا کی دوسری مخلوق کی صورت اُس کو مل جاتی ہے ۔ غرض کہ ایسے ایسے امور کی بناء بلاشبہ ہندوستانیوں کے نہایت جہل اور نہایت بے وقوفی پر ہے اور جب تک وہ اس جہل سے نہ نکلیں گے ہرگز اُن کی حالت اس لحاظ سے اچھی نہ ہوگی اور جو صدمات اُن کو اٹھانے پڑتے ہیں وہ ہمیشہ اُن کے جگر و سینہ کو چاک کرتے رہیں گے اور اس وجہ سے اُن کی دنیاوی حیات جانوروں سے بھی بدتر رہے گی ۔

اب یہاں تک تو ہم نے سرکاری تدابیر سے فائدہ حاصل نہ کرنے کے اُن اسباب کو بیان کیا جو خاص رعایا کی طرف سے پیدا ہوتے ہیں ۔ اب ہم اُن اسباب کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو خاص انتظام ہی کے متعلق پیدا ہوتے ہیں ۔ منجملہ اُن کے ایک ان ملازموں کی کج اخلاق اور ظلم و زیادتی اور اگر ہم سچ سچ کہیں تو بعض اوقات اُن کی بدمعاشی اس بات کا باعث ہے کہ ہندوستانی اُن کی صورت دیکھنے اور اُن کے پاس جانے سے اپنا مرنا بہتر سمجھتے ہیں۔ہندوستان کی قوم بہت زیادہ عادی ، نرمی اور خوش اخلاقی کی ہے اور یہ بات سرکاری سررشتوں میں نام کو بھی نہیں ہے ۔ جو بات علی العموم معلوم ہے کہ جو انگریزی بڑے ڈاکٹر ہوتے ہیں وہ تو ہرگز غریب رعایا کا علاج کرنا پسند نہیں کرتے اور وہ مجبور ہیں کہ کسی کے ساتھ خوش اخلاقی نہیں کر سکتے ، کیونکہ بد اخلاقی اس قدر اُن کی جبلت میں بیٹھ گئی ہے کہ اب خوش اخلاقی کو وہ بہ تصنع

کرنا چاہتے ہیں اور نہیں ہو سکتی - رہے وہ ڈاکٹر صاحب
جو کالے ڈاکٹر کہلاتے ہیں، اُن کے مزاج کچھ انگریزی ڈاکٹر
صاحب سے بھی زیادہ ہو جاتے ہیں اور شاید ایسا معلوم ہوتا
ہے کہ لفظ کالے ڈاکٹر میں جو ایک سیاہی کا مفہوم معلوم ہوتا
ہے وہ اُن کے دماغ کو محیط ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے اخلاق
روشنی اُن میں بالکل نہیں رہتی - اگر غرباء چاہیں کہ اپنے ملک کی
رسم کے موافق اپنے گھر کی عورتوں یا بچوں کے علاج اُن سے
کراویں تو وہ کیوں کسی کے گھر جانے لگے تھے - ضرور ہے کہ
وہ بے چارہ اپنی آبرو کو ضائع کر کے اپنی عورتوں کو شفاخانہ
لے جاوے جب ڈاکٹر صاحب کے علاج سے مستفید ہو - پس نہ وہ
لے جاوے گا نہ اُن سے علاج کا خواستگار ہوگا اور اگر سعی سفارش
سے ڈاکٹر صاحب کسی ایک کے گھر گئے تو جب تک بگھی نہ ہو
اور ڈاکٹر صاحب کی فیس نہ دے ڈاکٹر صاحب ہرگز نہیں جاویں گے
اور ہندوستان میں ایسے لوگ کہاں ہیں جن کے پاس علی العموم
بگھیاں اور فیس کی گنی تیار رہے - پس وہ بے چارے اُن ڈاکٹروں
کے پاس تک نہیں آتے اور ہم حیران ہیں کہ جو شفاخانے
سرکار کی جانب سے مقرر ہیں اور ڈاکٹر اُس کے ملازم ہیں اُن
کے واسطے فیس کیوں واجب ہو جاتی ہے - اگر فیس مریض کی
رضا پر موقوف رہے تو کیا حرج ہے - اسی طرح ڈاکٹر صاحب
کو اگر کوئی شریف یاد کرے تو ڈاکٹر صاحب کیوں اغماض
فرماتے ہیں - ہمارے نزدیک اُن کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ
بشرطِ ضرورت اگر جانے میں کسی جگہ کے عذر کریں تو
جواب دہ ہوں - مگر یہاں یہ دقت ہے کہ اگر ڈاکٹر صاحب
کو کوئی مجبور کر کے لے جاوے تو مریض کی خیر نہیں معلوم
ہوتی - غرض کہ یہ مرحلہ نہایت سخت دشوار گذار ہے - دوسرے

یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے ماتحت ملازم بسا اوقات مریضوں کے ساتھ وہ سلوک کرتے ھیں کہ یا تو مریض کچھ نذر و نیاز سے اُن کو راضی کرے ورنہ اُس کو شفاخانہ میں گھسنا دشوار ھے۔ ٹیکہ کے ملازم بھی اپنی خود غرضی اور نفع کے واسطے بچوں پر وہ تشدد کرتے ھیں کہ اُن کے ماں باپ صبر نہیں کر سکتے اور وہ کچھ پروا نہیں کرتے اور انھوں نے یہ ایک حیلہ تجویز کیا ھے کہ اگر وہ اُن کی زیادتی کے خوف سے کچھ عذر کریں تو اب وہ تھانہ سے مدد مانگنے اور تحصیلدار صاحب سے کمک لینے کے مجاز گردانے گئے ھیں۔ پس رعایا کے واسطے بچوں کا علاج ایک سخت مصیبت ھوگئی ھے۔ یہ لوگ بعض اوقات اپنی کارگذاری ظاھر کرنے کے واسطے ٹیکہ بے پروائی سے خراب لگاتے ھیں اور اُس کے آبلہ کو بچہ کے ماں باپ کے دھمکانے کے واسطے بار بار چھیل دیتے ھیں اور اس کا نتیجہ بعض اوقات بچہ کی ھلاکت کا باعث ھوتا ھے۔ چناں چہ پنجابی اخبار مطبوعہ ۲۵ مارچ ۱۸۷۶ء میں انبالہ کی ایک خبر ھماری رائے کی بالکل تصدیق کرتی ھے اور ھم کو نہایت افسوس دلاتی ھے۔ وہ یہ ھے:

”چیچک کے ٹیکہ کا انتظامِ سرکاری بہ نظرِ رفاہِ عام تجویز ھوا ھے مگر ملازمانِ سرشتۂ مذکور کی زیادتیوں سے نتیجہ برعکس ظہور میں آتا ھے۔ اول تو جب یہ لوگ کسی بچہ کو ٹیکا لگانے کے واسطے آتے ھیں تو اس کے وارثان کو بہت خوف دیتے ھیں اور طفلک کو ایسی اذیت پہنچاتے ھیں کہ جس میں وارثان کا دل دکھے اور وہ کچھ دے دیا کریں۔ چناں چہ بہ لاچاری وہ دے دیتے ھیں اور لڑکوں کا خوف کے مارے وہ حال ھے کہ چھپتے پھرتے ھیں۔ چناں چہ ایک موضع کا ذکر ھے کہ وھاں

یہ حضرات پہنچے ۔ وہاں ایک عورت بیوہ کے ایک ہشت سالہ لڑکا تھا۔اس نے ان لوگوں کو دیکھ کر اپنی ماں سے کہا کہ تو بھی ان کو کچھ دے دے جیسا کہ اور لوگ دیتے ہیں ۔ عورت مفلس تھی ۔ اس نے کہا کہ آج تو کھانے کو بھی نہیں ہے کہاں سے دوں ؟ لڑکا مایوس ہو کر ایک گوشہ میں جا چھپا اور اس کی والدہ دست بستہ ہو کر ملازمان مذکور کے پاس گئی اور کہا کہ میں بیوہ مفلس بے کس ہوں ۔ میرے لڑکے کے سال گذشتہ ٹیکا لگ چکا ہے،اب معاف فرماؤ ۔ وہاں سے جواب ملا کہ بلا سبب معاف نہیں ہو سکتی ۔ لوگوں نے سمجھایا کہ جس طرح ہو سکے ان کو کچھ دے دے ۔ لا چار وہ ایک کٹورا برنجی بنا، پر رہن لے کر تمام گاؤں میں پھری ۔ کسی نے نہ خریدا اور نہ رہن رکھا ۔ لاچار وہ واپس آئی اور سب سرگذشت سنائی مگر ان کو کچھ رحم نہ آیا اور جبراً عورت کے گھر واسطے پکڑنے طفلک کے گھس گئے ۔ طفلک پہلے سے خوف ہو کر نیم جان تھا ۔ پھر ان کی شکل دیکھ کر راہی ملکِ عدم ہوا ۔ اب غور کیجیے کا اس کام کا نتیجہ بسبب نا لائقی ملازمان کیا نکلا اور جو منشاء سرکار کا تھا وہ یک قلم جاتا رہا "۔

پس اگر یہ خبر صحیح ہے اور اس کے راقم نے اس کو مطابق واقع کے لکھا ہے تو اب دیکھنا چاہیے کہ کس قدر ظلم غریب رعایا کی جان پر ہوتا ہے اور ظلم بھی ایسا جان فرسا کہ جب تک اس کا گمان و خیال بھی رعایا کے دل پر رہے گا کسی طرح امید نہیں ہو سکتی کہ وہ ایسے سرکاری انتظاموں کو خوشی سے پسند کرے اور اس سے فائدہ اٹھاوے ۔اور گو ہم کو کسی قدر شبہ خاص اس خبر کی صداقت میں ہے لیکن اس کے قریب قریب تو ضرور ہے ۔بعض زیادتیاں ہوتی ہیں جو نہایت افسوس ناک اور

گورنمنٹ کے اصلی منشاء کے بالکل منافی ہیں۔
علیٰ هذا القیاس چوکیداری کی یہ کیفیت تھی کہ اُس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا۔ اول تو ہم کو یقین کامل ہے کہ حضرات پنچ ایسی پنچایت کرتے تھے کہ ان کی پنچایت سخت مزاحمت کے لائق ہوتی تھی۔ ان کی پنچایت کا یہ نتیجہ یقینی تھا کہ جو شخص جس ٹیکس کا مستحق تھا اُس پر وہ ہرگز نہ ہوتا تھا بلکہ کم یا بیش ہوتا تھا۔ بعض امیر آدمی رعایتی ہوتے تھے، جو کچھ بھی نہ دیتے تھے۔ بعض وہ چکی پیسنے والی جو روز اناج پیس کر دھیلے کی کوڑیاں سخت مصیبت سے کماتی تھی چوکیدارہ دیتی تھی اور پنچوں کی میزان عدالت میں سب برابر ہوتے تھے اور یہی سبب تھا کہ ہمیشہ چکی چولھے زیادہ نیلام ہوئے اور بدنامی ہو گئی۔ دوسرے چوکیداری کے بخشی صاحبوں اور ان کے ملازموں کی بے رحمیاں اس کا باعث ہوئیں کہ مخلوق پر تشدد ہوگیا۔ اگر حکم سرکار ایک دن میں وصول کرنے کا تھا تو وہ ایک منٹ میں وصول کرتے تھے اور اگر حکم سرکار تنبیہہ کا ہوتا تھا تو وہ گھر ڈھانے کو تیار ہو جاتے تھے۔ مگر چوں کہ اب وہ قصہ ہی اکثر جگہ سے جاتا رہا تو کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کی نسبت زیادہ تفصیل کریں۔ محکمہ چنگی کی خوبیاں ایک مرتبہ ہم نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ چکے ہیں اور جو نفع اس کے سبب سے رعایا کو پہنچے وہ بلا شبہ نہایت قدر کے لائق ہیں جن کی تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔ اب ہم کو مناسب ہے کہ بعض اُس کی خرابیاں بھی بیان کریں جن کے سبب سے رعایا ایسے مفید محکمہ کو اس قدر مصیبت کا باعث سمجھتی ہے کہ اُس کا کچھ بیان نہیں ہو سکتا اور اُس کے احکام اور اُس کی تعمیلوں سے یہاں تک گھبرائی ہوئی ہے کہ کچھ اس کی

انتہا نہیں ہے مگر چوں کہ ہمارے اس پرچہ میں اب گنجائش نہیں ہے اور اُس کے متعلق خرابیوں کی تفصیل زیادہ طوالت کو مقتضی ہے اس جہت سے ہم اس موقع پر اس کو فرو گذاشت کرتے ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ آئندہ فرصت میں ہم کو اس بات کا موقع ملے گا کہ ہم اُس کی تفصیل کریں اور جو کارمپانڈنٹ ہمارے پاس اس بارے میں آئے ہیں اُن کا آئندہ ذکر کریں۔ اور کچھ ہم کو کسی خاص شکایت سے بحث نہیں ہے مگر علی العموم جو امور رعایا کے سراسر تکلیف کا باعث ہیں اُن کو لکھنا ہم اپنا فرض سمجھیں گے -

---

خطابِ شہنشاہی

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ۲۴ مارچ ۱۸۷۶ء)

آج کل انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک عظیم الشان معاملہ پر بحث ہو رہی ہے اور وہ معاملہ ایسا پُر لطف ہے کہ اُس کی طرف تمام عقلاء کی توجہ مائل ہے - جو لطف آمیز تقریریں ممبران پارلیمنٹ اس باب میں کر رہے ہیں اُن کے دیکھنے سے ایک عالی دماغ قوم کے وسیع خیالات کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اور جس لطف و خوبی سے ہر ایک دوسرے کے دلائل کو قطع کرتا ہے وہ بے انتہا دلچسپ ہے، وہ عظیم الشان معاملہ یہ ہے کہ حضور ملکہ معظمہ کے لیے خطاب شہنشاہی ہونا چاہیے یا نہیں ؟ پس جو فرقہ پارلیمنٹ کے ممبروں کا گورنمنٹ کا طرفدار ہے وہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اس بات کی تائید کرتا ہے کہ ملکہ معظمہ کو خطاب شہنشاہی ملنا چاہیے اور جو فرقہ گورنمنٹ کا مخالف ہے وہ اس خطاب کو بعض وجوہ سے ناپسند کرتا ہے اور ان دونوں فرقوں کے اختلاف کی بناء جن بے نظیر دلائل پر ہے بلا شبہ وہ ایسے نہیں ہیں کہ سامعین ان سے بے پروائی کریں -

بلحاظ اس عزت اور امتیاز کے جو حضور ملکہ معظمہ کو ہندوستان کی سلطنت کی وجہ سے حاصل ہے اور نیز بلحاظ اس بات کے کہ ہندوستان کی آبادی کس قدر معزز اور ذی فخر باشندوں پر مشتمل ہے اور اس لحاظ سے کہ کس قدر بڑی قوم ملکہ معظمہ کے زیر حکم ہے،گورنمنٹ کا طرفدار اس بات کو

مناسب سمجھتا ہے کہ ملکہ معظمہ کو شہنشاہ ہند کا خطاب دیا جاوے اور جو قدیمی خیال ملکہ معظمہ کے خطاب کی نسبت انگلستان کو ہے اس کو اب پورا کیا جاوے اور اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے کہ یہ امور ضرور اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ ملکہ معظمہ شہنشاہ کے خطاب سے مخاطب ہوں۔

پارلیمنٹ کا دوسرا فریق اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ ان وجوہ سے ملکہ معظمہ شہنشاہ کے خطاب سے مخاطب کی جاویں کیوں کہ اول تو اس کے نزدیک یہ خطاب ایک قسم کے غرور پر مبنی ہے، جو پرانی مشرقی سلطنتوں کا شعار تھا، دوسرے اس سے ایک ایسی خود مختاری کی بو پائی جاتی ہے جو انگلستان کی گورنمنٹ کی شائستگی کے خلاف ہے۔ تیسرے یہ کہ ہندوستان کچھ ایسا بڑا ملک نہیں ہے اور اس کے سبب سے ملکہ معظمہ کو کوئی فخر کا موقع نہیں ہے، غرض کہ اس فرقہ کے نزدیک ہندوستان کوئی ایسا ملک نہیں ہے جس کے لحاظ سے ملکہ معظمہ اپنے آپ کو شہنشاہ کہہ سکیں بلکہ وہ اپنے نزدیک ان جزائر کو بلحاظ قوت سلطنت کے بہتر جانتا ہے جو بتدریج ملکہ معظمہ کی حکومت میں شامل ہوتے جاتے ہیں اور اس فرقہ کا خیال ہے کہ شاید سلطنت کی قوت کے لحاظ سے یہ جزائر ہندوستان کی بہ نسبت زیادہ فخر کے لائق ہیں، اس فرقہ کو یہ بھی تامل ہے کہ ملکہ معظمہ حامی دین کے خطاب سے کیوں کر مخاطب ہو سکتی ہیں کیوں کہ ہندوستان مختلف قسم کے مذاہب کے باشندوں پر مشتمل ہے۔ پس جب تک ملکہ معظمہ تمام ادیان کی حامی نہ ہوں یہ خطاب بہ دشواری صحیح ہو سکتا ہے، وہ یہ بھی خیال کرتا ہے کہ شہنشاہ کا خطاب ایک ایسے بادشاہ کو ملنا چاہیے جس نے بزور شمشیر ملک پر غلبہ حاصل کیا ہو، اور ایسی بات کا یاد دلانا

کچھ مناسب بات نہیں ہے ۔

اب ہم کو یہ بات خیال کرنی چاہیے کہ جو وجوہ اس مخالف فرقہ نے خطاب کے نامناسب ثابت کرنے کے واسطے پیش کی ہیں وہ کہاں تک صحیح ہیں اور اگر صحیح ہیں تو کس قدر قوی ہیں تا کہ اُن کے لحاظ سے یہ خطاب نامناسب ثابت ہو سکے ۔ سب سے اول ہم کو یہ بات دیکھنی چاہیے کہ کیا ہندوستان فی الواقع ایسا ہی ملک ہے کہ اُس کے لحاظ سے ملکہ معظمہ اپنے آپ کو شہنشاہ نہیں کہہ سکیں ، ہمارے نزدیک یہ بالکل صحیح نہیں ہے ۔ ہندوستان کی عزت اور وسعت ہمیشہ انگلستان کی پارلیمنٹ نے تسلیم کی ہے اور اس کو انگلستان کے تاج کا ایک روشن ہیرا بیان کیا گیا ہے ، پس ایسے صریح امر کی نسبت انکار کرنا ۔ کچھ تعریف کے لائق بات نہیں ہے ۔ بلا شبہ ہندوستان اپنی وسعت اور زر ریز ملک ہونے کے لحاظ سے ایک ایسا ہی ملک ہے کہ اس کو انگلستان کے تاج کا روشن ہیرا کہا جاوے اور آبادی کے لحاظ سے بھی اس کو اگر انگلستان کا ہمسر حصہ خیال کیا جاوے تو کچھ بعید نہیں ہے ، قوت کے لحاظ سے بھی وہ جیسے بڑے بڑے راجاؤں اور والی ممالک پر مشتمل ہے وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ اگر اس کو چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کا مجموعہ خیال کیا جاوے تو کچھ بے جا نہیں ہے ، اور فی الواقعہ ایسا ہی ہے ۔ کیوں کہ یورپ کی بعض خود مختار سلطنتیں اپنی وسعت کے لحاظ سے ہندوستان کے ایک راجا کی یا نواب کی ریاست سے کچھ بڑھ کر نہیں ہیں ۔ پس جب ایسی چند ریاستوں پر ہندوستان مشتمل ہے تو اب ملکہ معظمہ کو خطاب شہنشاہی کے حاصل کرنے کے واسطے ایک معقول وجہ ہے ، اور اس بات کا دعوی کرنا کہ ہندوستان کی بہ نسبت جزیرہ آسٹریلیا زیادہ

انگلستان کی تقویت کا باعث ہے صرف دعوی ہے جس کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے ، کیا صرف اس بات کا خیال کر لینا کہ ان جزائر میں وہ قومیں پیدا ہوں گی جو آئندہ سلطنت کا مرکز بن سکیں کی ہندوستان کو آسٹریلیا سے کم ثابت کر سکتا ہے ہرگز نہیں ، بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ جو آسٹریلیا کبھی سلطنت کے لائق قومیں پیدا کرے گا اس آسٹریلیا کے برابر ہندوستان کے راجہ سلطنتیں کر رہے ہیں ۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ اس خطاب سے خود مختاری کی بو آتی ہے ۔ کیونکہ بادشاہ اور شہنشاہ میں صرف مدارج کا فرق ہے اور جب کہ ملکہ معظمہ ان مدارج کی مستحق ہیں تو کیوں کر وہ شہنشاہ نہیں ہو سکتیں ، اور اگر خود مختاری کی بو تسلیم بھی کی جاوے تو بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے کیونکہ خود مختاری ہمیشہ وہ قابل اعتراض ہوتی ہے جو اپنے مدارج سے زیادہ ظاہر کی جاوے اور جب کہ ملکہ معظمہ کی یہ خود مختاری ان کے مدارج کے لحاظ سے زیادہ نہیں ہے تو اس خطاب کے ہونے میں کیا خرابی ہے ؟ اگر ایک راجا خود بخود اپنے تئیں بادشاہ بنا لے تو اس کی یہ خود مختاری قابل اعتراض ہو سکتی ہے اور اگر بادشاہ اپنے کو بادشاہ کہے تو یہ خود مختاری نہیں ہے ۔ اسی طرح جو بادشاہ مستحق خطاب شہنشاہی ہو اس کے واسطے یہ خطاب موجب خود مختاری نہیں ہے اور اس میں ذرا شبہ نہیں ہے کہ ملکہ معظمہ اس کی مستحق ہیں ۔

یہ امر بھی قابل تسلیم نہیں ہے کہ جب ملکہ معظمہ حامی دین کہلاویں گی تو ان کو کس دین کے لحاظ سے حامی کہیں گے ۔ کیونکہ یہ بات علی العموم تسلیم کی گئی ہے کہ ملکہ معظمہ کو تمام ادیان کی حفاظت علی السویہ منظور ہے اور

اپنی حکمرانی میں اس بات کی بڑی رعایت فرماتی ہیں کہ معاملات مذہب میں کسی طرح کا کسی کے ساتھ اختلاف نہ کیا جاوے۔ پس جب کہ اُن کی جانب سے جمیع ادیان کی حفاظت ظاہر ہوتی ہے تو اب کیا مضائقہ ہے کہ حامی ادیان کہا جاوے اور اس خطاب کے سبب سے ملکہ معظمہ کی اس خاص عزت کو ظاہر کیا جاوے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ جس ملک کے لحاظ سے ملکہ معظمہ کو خطاب شہنشاہی دیا جاتا ہے اُس ملک کے باشندے اپنی مختلف قسم کے ادیان کی حفاظت کے لحاظ سے ملکہ معظمہ کے نہایت مشکور ہیں اور اسی وجہ سے وہ اُس وقت نہایت خوش ہوں گے جب کہ ملکہ معظمہ حامی ادیان کے خطاب سے مخاطب ہوں گی بلکہ اس وقت حق الیقین کا مرتبہ اس باب میں حاصل ہوگا کہ ملکہ معظمہ جن کے خطاب کا انتہائی فقرہ حامی دین ہے ضرور حامی ادیان ہیں اور اگر اس لحاظ سے شبہ ہے کہ دین لفظ مفرد ہے اور ادیان کا لفظ خطاب میں بصیغہ جمع نہیں ہے تو یہ شبہ کچھ ایسا نہیں ہے کہ اس سے خطاب شہنشاہی صحیح نہ ہو بلکہ غایت درجہ یہ شبہ عبارت کے متعلق ہوگا جو بادنٰی تغیر اصلاح پذیر ہو سکتا ہے۔

جن لوگوں نے شہنشاہ کے لفظ سے غرور ثابت کیا ہے اُن کی بڑی غلطی ہے کیوں کہ غرور ہمیشہ خلاف واقع کیفیت کو تعلی سے بیان کرنے کا نام ہے اور شہنشاہ کا خطاب ملکہ معظمہ کی نسبت کوئی خلاف واقع کیفیت نہیں ہے اور صرف اس بات کا خیال کرنا کہ پہلے یہ لفظ جابر بادشاہوں پر بولا گیا ہے اس امر کو ثابت نہیں کر سکتا کہ ملکہ معظمہ کو اس کا استحقاق نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر غلطی سے ایک بخیل کو حاتم اور ایک نامرد کو رستم کہا گیا ہو تو کیا اس وجہ سے حاتم کو بھی

حاتم نہ کہہ سکیں گے جو حقیقت میں اس کا مستحق تھا اور کیا
اس خیال سے رستم کو رستم نہ کہیں گے جو فی الواقع رستم تھا
بلکہ اُن کی نسبت اس قدر خیال کرنا کافی ہوگا کہ اپنے آپ کو
اُن پہلے جابروں کا شہنشاہ کہنا اُن کے ایک جبر اور غرور کی
نشانی تھی ۔ ہاں البتہ اگر شہنشاہ کے معنی ہی جابر کے ہوں تو
شاید یہ اعتراض صحیح ہو اور یہ تو غلط ہے کہ شہنشاہ کے معنی
جابر کے ہیں ۔ اگر مسٹر لو صاحب اپنی چست تقریر سے یہ بات
ثابت کر دیں کہ جس استحقاق کے لحاظ سے شہنشاہی کا خطاب
ہونا چاہیے وہ استحقاق ہی ملکہ معظمہ میں نہیں ہے تو البتہ ہم
تسلیم کریں گے کہ ہاں یہ خطاب نامناسب ہے اور جب تک کہ
یہ امر ثابت نہ ہو اس وقت تک ایسے وجوہ سے اس کو نا مناسب
ثابت کرنا کچھ صحیح نہیں ہو سکتا ۔ ہم نہایت تائید کرتے ہیں
مسٹر ڈسریلی صاحب کے اس خیال کی کہ وہ ملکہ معظمہ کے
واسطے شہنشاہ ہی کا خطاب صرف اس فخر و عزت کے ہی استحقاق
کے لحاظ سے جائز بیان کرتے ہیں جو فی الواقع اُس کے واسطے
درکار ہے اور جو فرقہ اس کا مخالف ہوا ہے وہ بھی اس
استحقاق میں کچھ کلام نہیں کر سکتا ۔ اگر اُس کو کلام ہے تو
ایسے زائد احتمالات پر جو اس موقع کے مناسب نہیں ہیں ۔ پس ہم
ہندوستان کے باشندے نہایت خوش ہیں کہ ہماری ملکہ معظمہ
شہنشاہ کے خطاب سے مخاطب ہوں ۔

البرٹ بل

(علی گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ ۳ مارچ ۱۸۸۳ء)

آنریبل سی۔ پی۔ البرٹ صاحب لا ممبر کونسل گورنر جنرل آف انڈیا نے مجموعہ ضابطہ فوجداری کی چند دفعات کی ترمیم مین ایک بل کونسل مین پیش کیا ہے۔

اس بل کی رو سے مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۲ کی ترمیم ہوگی اس دفعہ کی رو سے بجز یوروپین کے کوئی ہندوستانی جسٹس آف پیس یعنی ایسا حاکم جو یوروپین کی نسبت مقدمات فوجداری کی سماعت کرے مقرر نہین ہو سکتا۔ اس بل کی رو سے ہندوستانیون کو یہ اختیار مل سکے گا۔

اسی طرح مجموعہ ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۲۵ اور دفعہ ۴۴۳ وغیرہ کی ترمیم ہوگی۔ یعنی جملہ صاحبان سشن جج و مجسٹریٹ ضلع ہندوستانی ہون یا یوروپین جسٹس آف دی پیس ہون گے۔

حاصل اس سب کا یہ ہے کہ اگر یہ بل پاس ہو جاوے تو بعض ہندوستانی حکام کو یوروپین صاحبان رعیت برطانیہ کی نسبت بھی مقدمات فوجداری کی سماعت کا اختیار حاصل ہو جاوے گا۔

اس بل سے یوروپین صاحبان نے جو ہندوستان مین رہتے ہین اور ہر قسم کا کاروبار تجارت اور کاشت چاء و قہوہ وغیرہ کرتے ہین اپنی نا رضامندی ظاہر کی ہے اور ہر جگہ و ہر مقام پر بہت بڑی بڑی میٹنگین اور مجلسین اس بل کے برخلاف قائم کی ہین

کسی اس پر یوروپین لوگوں نے جو ہندوستان میں رہتے ہیں
اس قدر شدید مخالفت نہیں کی جیسی کہ اس بل پر کی ہے مگر ہم
اس بات کے معلوم ہونے سے نہایت خوش ہیں کہ ہندوستان کے
کسی حصہ میں ہندوستانیوں نے یوروپین لوگوں کی مجلسوں کے
مقابلہ میں کوئی مجلس قائم نہیں کی اور نہ ہندوستانیوں کو آئندہ
اس معاملہ میں کوئی مجلس قائم کرنی چاہیے - ان کو لازم ہے
کہ وہ بالکل خاموش رہیں - کوئی ایک ہندوستانی بھی یہ نہیں
خیال کرتا کہ اس کو یوروپین کی نسبت مقدمات فوجداری کی
سماعت کا اختیار ہونے سے اس کو کچھ زیادہ شیخی ہو جاوے گی -
اس کو کچھ پروا نہیں ہے کہ ایک مجرم یوروپین کا مقدمہ
اس کے سامنے آوے یا نہ آوے بلکہ اس وقت تک قانون میں جو
ایسا تفرقہ موجود ہے یہ خود قانون میں نقصان ہے جس میں قومی
رعایت رکھی گئی ہے ہر ایک منصف عادل گورنمنٹ کا یہ
فرض ہے کہ انصاف کو قائم رکھے اور ہر قوم کے لیے جو
اس کی رعیت ہوں یکساں قانون جاری کرے - پس مسٹر البرٹ
کے بل سے گورنمنٹ کے قانون میں جو نقصان ہے وہ رفع ہوتا
ہے اور جو وعدہ ملکہ معظمہ قیصرہ ہند نے کیا ہے کہ اس
کی تمام رعایا کے حقوق برابر ہوں گے اس کی تکمیل ہوتی ہے
ضرور ہے کہ اس کی تکمیل ہوگی - پس ہندوستانیوں کو کچھ
ضرور نہیں ہے کہ یوروپین صاحبوں نے جو کارروائی کی ہے اس کے
مخالف کوئی کارروائی کریں اور ہم کو امید ہے کہ کسی ہندوستانی
یا کسی ہندوستانی سوسائٹی کو کسی کارروائی کرنے کا خیال بھی
نہیں ہے اور اس معاملہ میں ایسا ہی ہونا چاہیے -

خیر یہ بل پاس ہو یا نہ ہو جو ہونا ہوگا وہ ہوگا مگر ہماری
رائے میں اس بل کے پیش ہونے سے بہت بڑا یہ فائدہ ہوا کہ

گورنمنٹ آف انڈیا اور انگلینڈ کی گورنمنٹ اور پارلیمنٹ کے دونوں هاؤسوں کو خوب معلوم هو گیا کہ یوروپین صاحبان کی جو هندوستان میں رهتے هیں هندوستانیوں کی نسبت کیسی فیلنگ هے اور اسی پر یوروپین صاحبان کی سوشل حالت کا جو هندوستانیوں کے ساتھ هے اور جس کی شکایت همیشه هندوستانی کرتے هیں بخوبی اندازہ هو سکتا هے - ایک صاحب نے فرمایا کہ افسوس هے کہ اس مباحثه کے سبب سے جو اس بل پر پیش آیا هے یوروپین صاحبان کی فیلنگ هندوستانیوں کی نسبت خراب هو جاوے گی - سننے والے نے کہا کہ اب کون سی اچھی هے جو آئندہ خراب هونی باقی هے -

مگر اُن صاحب نے جو کہا اُس پر انھوں نے غور نہیں کیا - ایک قوم کی دوسری قوم کے ساتھ اچھی یا بری فیلنگ کا هونا یا نه هونا صرف قانون پر منحصر هے - جب قانون میں یکتائی نه هوگی اور ایک قوم کے لیے ایک قانون اور دوسری قوم کے لیے دوسرا قانون هے تو کبھی اُن دونوں قوموں کی فیلنگ آپس میں اچھی نہیں هو سکتی لیکن جب دونوں قوموں کے لیے یکساں قانون هوں اور دونوں کے ساتھ ایک هی قانون سے برتاؤ کیا جائے اُس وقت در حقیقت دونوں قوموں کی فیلنگ عمدہ هو جاتی هیں - پس هندوستانیوں اور انگریزوں میں اصلی محبت و ملاپ اُس وقت هو سکتا هے جب کہ قانون میں دونوں قوموں کے لیے کچھ تفرقه نه رهے -

مضمون

کیا سبب ہوا ہندوستان کی سرکشی کا؟

(اس سوال کا جواب ذیل کے صفحات میں دیا جاتا ہے)

(منقول از حیاتِ جاوید)

۱۸۵۷ء وہ منحوس سال تھا جس میں شمالی ہند کے مسلمانوں کو قیامت خیز حادثات سے سابقہ پڑا۔ ہزاروں بے گناہ مسلمان سولی پر چڑھا دیے گئے۔ سینکڑوں مسلم خاندان تباہ ہو گئے۔ اُن کی جاگیریں ضبط کرلی گئیں۔ اُن کی جائدادیں برباد کردی گئیں۔ اُن کے مکانات کھود کر پھینک دیے گئے۔ اُن کے ہر سبز و شاداب زمینوں پر گدھوں کے ہل چلوا دیے گئے۔ بیسیوں بے قصور مسلمانوں پر مقدمات قائم کرکے اُن کو سنگین سزائیں دی گئیں۔ بہت سوں کو کالے پانی بھجوا کر اُن کی زندگی حرام کر دی گئی۔ اور بالآخر وہ وہیں مر کھپ گئے۔ غرض مسلمان بے طرح انگریز کے غصے کے شکار ہو رہے تھے۔ اور زمین میں اُن کے لیے کہیں پناہ کی جگہ باقی نہ رہی تھی۔ اس وقت انگریز کی نظر میں سب سے بڑا گناہ مسلمانوں کی حمایت اور ہمدردی تھی۔ اور جس نے ذرا بھی ایسا ارادہ کیا اُسے پھانسی کی سزا ملی۔ ہاں مسلمانوں کے خلاف بیانات اور گواہیاں دینے والوں کو انعام و اکرام

سے نوازا جاتا تھا۔ اُن کو جائدادیں اور جاگیریں ملتی تھیں۔ اُن کو خوشنودی کے پروانے اور خیر سگالی کی سندیں عطا کی جاتی تھیں۔ خطابات اور اعزازات دیے جاتے تھے اور ہر طرح اُن کی دل جوئی اور خاطر مدارت کی جاتی تھی۔ ایسے وقت میں کلمۂ حق کہنا اور سچی بات سنانا اپنے آپ کو جان بوجھ کر موت کے منھ میں دینا تھا۔ انگریز اپنے غصہ میں مسلمانوں کے حق میں کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا اور سلطنت اُس شخص کو ملک کا بہت بڑا غدار اور دشمن سمجھتی تھی جو ایک لفظ بھی بدقسمت اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور ہمدردی میں کہے۔ اس سے زیادہ خطرناک کام اُس وقت اور کوئی نہ تھا کہ کوئی شخص یہ بات کہے کہ مسلمان بے قصور اور بے گناہ ہیں۔ اُن کو ناحق سزائیں دی جا رہی ہیں۔ اور اُن کو بے فائدہ برباد اور تباہ کیا جا رہا ہے۔

ایسے سخت و صعب زمانہ میں اور ایسے ہولناک اور پر آشوب وقت میں سارے ہندوستان میں سرسید ہی ایسا بہادر اور دلیر۔ نڈر اور بے باک شخص تھا۔ جس نے جان پر کھیل کر بڑی آزادی اور بے خوفی کے ساتھ "بغاوت ۱۸۵۷ء" کے اسباب اور مسلمانوں کی اُس سے بریت کے متعلق یہ مضمون لکھا جسے آج ہم ناظرین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

سرسید نے اس عجیب دلیرانہ مضمون کی پانچ سو کاپیاں چھپوائیں اور پارلیمنٹ انگلستان کے ممبروں اور معززین کو بھیج دیں تاکہ وہ دیکھیں کہ مسلمانوں

پر اس معاملہ میں ناحق ظلم ہوا ہے علاوہ ازیں ایک کاپی گورنمنٹ آف انڈیا کو بھی روانہ کر دی ۔

مضمون شائع ہوتے ہی سرسید کے خلاف انگلستان اور ہندوستان میں انگریز کا غصہ بھڑک اٹھا کہ سرکاری نوکر ہو کر اس نے ایسا باغیانہ مضمون لکھا ۔ نہ صرف مضمون لکھا بلکہ اسے چھپوا کر شائع کیا ۔ انگلستان کے اخبارات نے بھی خوب شور مچایا کہ ایسے باغی اور مفسد کو سخت ترین سزا دینی چاہیے ۔ جس نے ایسے وقت میں مسلمانوں کی حمایت کی ہے اور انہیں بے قصور اور بے گناہ بتایا ہے ۔ پارلیمنٹ کے ممبران اور ہندوستان کے اعلیٰ انگریز افسران نے بھی اپنے نہایت غصہ و غضب کا اظہار کیا ۔ چناں چہ مسٹر سیل بیڈن انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند نے کونسل میں تقریر کرتے ہوئے بڑے زور و شدت سے کہا ”اس شخص نے نہایت باغیانہ مضمون لکھا ہے ۔ اس سے سختی کے ساتھ باز پرس ہونی چاہیے اور اس سے اس بات کا جواب لینا چاہیے کہ کیوں اس نے ایسی نامعقول حرکت کی ؟ اور اگر وہ کوئی معقول جواب اپنی نامعقول حرکت کا نہ دے سکے تو اسے بڑی سخت اور عبرت انگیز سزا دینی چاہیے“۔

اس مضمون کو شائع کرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سرسید فوراً گرفتار کر کے گولی سے اڑا دیے جاتے ۔ کیوں کہ انہوں نے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کا سارا الزام بڑی دلیری اور آزادی کے ساتھ اس مضمون میں انگریزوں پر ڈالا تھا ۔ مگر چوں کہ یہ کام سرسید نے

محض مسلمانوں کی قومی ہمدردی سے متاثر ہو کر بڑے
خلوص اور نہایت سچائی کے ساتھ لکھا تھا ۔ لہٰذا بعض
اعلیٰ سرکاری حکام اور اکثر ممبران پارلیمنٹ نے کہا
اور لکھا کہ سید احمد خاں نے اس مضمون میں کوئی
بات حق اور انصاف کے خلاف نہیں کہی ۔ اور جو
کچھ کہا دلی سچائی کے ساتھ کہا ۔ لہٰذا اس سے
کوئی مواخذ نہ کیا جائے اور اس کے مضمون کو
غور اور انصاف سے پڑھا جائے ۔

یہ مضمون نہایت نایاب اور ناپید تھا کیوں کہ تقریباً
ساری مطبوعہ کاپیاں سرسید ولایت بھیج چکے تھے اور
ہندوستان میں اس کی عام اشاعت نہیں ہوئی تھی ۔ مگر
مولانا حالی نے کہیں نہ کہیں سے اسے فراہم کر کے
حیات جاوید کے ساتھ بطور ضمیمہ ۱۹۰۱ء میں شائع
کر دیا ۔ وہیں سے لے کر ہم اسے ناظرین کرام کی
خدمت میں پیش کر رہے ہیں ۔ ورنہ بظاہر اور کوئی
ذریعہ ایسا نہ تھا کہ ہم اس اہم اور بے نظیر
مضمون کو حاصل کر سکتے ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

سرکشی کے معنی اور اس کی مثالیں

اس کا جواب دینے سے پہلے ہم کو بتانا چاہیے کہ سرکشی کے کیا معنی ہیں ۔
جان لو کہ اپنی گورنمنٹ کا مقابلہ کرنا یا مخالفوں کے ساتھ
شریک ہونا یا مخالفانہ ارادے سے حکم نہ ماننا اور نہ بجا لانا یا
نڈر ہو کر گورنمنٹ کے حقوق اور حدود کو توڑنا سرکشی
ہے ۔ مثلاً

۱- نوکر کا یا رعیت کا اپنی حکومت سے لڑنا اور مقابلہ کرنا۔

۲- یا مخالفانہ ارادے سے حکم کا نہ ماننا اور نہ بجا لانا۔

۳- یا مخالفوں کی مدد کرنا اور ان کے شریک ہونا :

۴- یا رعیت کا نڈر ہو کر آپس میں لڑنا اور حدّ معینہ گورنمنٹ سے تجاوز کرنا۔

۵- یا اپنی گورنمنٹ کی محبت اور خیر خواہی دل میں نہ رکھنا اور مصیبت کے وقت طرفداری نہ کرنا۔

اس نازک وقت میں جو ۱۸۵۷ء میں گزرا ان اقسام کی سرکشیوں میں سے کوئی بھی سرکشی ایسی نہیں ہے جو نہ ہوئی ہو بلکہ بہت تھوڑے دانا آدمی ایسے نکلیں گے جو پچھلی بات سے خالی ہوں حالاں کہ یہ پچھلی بات جیسی ظاہر میں کم ہے ویسی ہی قدر میں بہت زیادہ ہے۔

سرکشی کا ارادہ دل میں کیوں آتا ہے ؟

سرکشی کا ارادہ جو دل میں پیدا ہوتا ہے اس کا سبب ایک ہی ہوتا ہے یعنی پیش آنا ان باتوں کا جو مخالف ہوں اُن لوگوں کی طبیعت اور طینت اور ارادہ اور عزم اور رسم و رواج اور خصلت اور جبلت کے جنھوں نے سرکشی کی۔

۱۸۵۷ء کی سرکشی کسی ایک بات سے نہیں ہوئی بلکہ بہت سی باتوں کا مجموعہ تھا۔

اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی خاص بات عام سرکشی کا باعث نہیں ہو سکتی۔ ہاں عام سرکشی کا باعث یا کوئی ایسی عام بات ہو سکتی ہے کہ جو سب کی طبیعتوں کے مخالف ہو یا متعدد باتیں ہوں کہ کسی نے کسی گروہ کی اور کسی نے کسی گروہ کی طبیعتوں کو پھیر دیا ہو اور رفتہ رفتہ عام سرکشی پیدا ہوگئی ہو۔

۱۸۵۷ء کی سرکشی میں یہی ہوا کہ بہت سی باتیں ایک

مدت دراز سے لوگوں کے دل میں جمع ہوتی جاتی تھیں اور بہت بڑا میگزین جمع ہوگیا تھا ۔ صرف اس کے شتابے میں آگ لگانی باقی تھی کہ سال گذشتہ میں فوج کی بغاوت نے اس میں آگ لگا دی ۔

چپاتی بٹنا کوئی سازش کی بات نہ تھی ۔

۱۸۵۶ء میں ہندوستان کے اکثر ضلعوں میں دیر بدیر چپاتی بٹی اور اُسی کے قریب زمانہ میں سرکشی ہوئی ۔ اگرچہ اس زمانہ میں تمام ہندوستان میں وبا کی بیماری تھی اور خیال میں آتا ہے کہ اُس کے دفع کرنے کو بطور ٹوٹکہ یہ کام ہوا ہو کیونکہ جاہل ہندوستانی اس قسم کے ٹوٹکے بہت کیا کرتے ہیں ۔ مگر حق یہ ہے کہ اس کا اصلی سبب اب تک نہیں کھلا لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ چپاتی کسی سازش کی بنیاد نہیں ہو سکتی ۔ یہ قاعدہ ہے کہ اس قسم کی چیز البتہ ایک نشانی ہوتی ہے واسطے تصدیق زبانی پیغام کے اور ظاہر ہے کہ اُس چپاتی کے ساتھ کوئی زبانی پیغام نہ تھا ۔ اگر ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ باوجود منتشر ہونے کے اور ہر قوم اور ہر طبیعت کے آدمیوں میں پھیلنے کے مخفی رہتا ۔ جس طرح پر کہ ہندوستان میں سرکشی پھیلی اور یہاں سے وہاں اور وہاں سے وہاں دوڑی ۔ صاف دلیل ہے کہ پہلے سے کچھ سازش نہ تھی ۔

روس اور ایران کی سازش کچھ نہ تھی

روس اور ایران کی سازش سے ہندوستان میں سرکشی کا خیال کرنا نہایت بے بنیاد بات ہے ۔ ہندوستانیوں پر جو معلوم نہیں کہ روسیوں کو کیا سمجھتے ہوں گے کیوں کر ان سے سازش کا احتمال ہو سکتا ہے ۔ ایرانیوں سے ہندو کسی طرح سازش نہیں کر سکتے ۔ ہندوستان کے مسلمانوں میں اور ایرانیوں میں موافقت ہونی ایسی غیر ممکن ہے

جیسے پروٹسٹنٹ اور رومن کیتھولک میں ۔ اگر دن اور رات کا ایک وقت میں جمع ہونا ممکن ہے تو البتہ سازش کا ہونا بھی ممکن ہے ۔ تعجب ہے کہ جب روس اوز ایران میں محاربات درپیش تھے تب ہندوستان میں کچھ نہ تھا اور جب ہندوستان میں فساد ہوا تو وہاں کچھ نہ تھا اور پھر سازش کا خیال کیا جائے ۔

اشتہار کا ذکر جو شاہزادہ ایران کے خیمہ میں سے نکلا

اشتہار جو مشہور ہے کہ ایران کے شاہزادے کے خیمہ میں سے نکلا اس کا کوئی لفظ ہندوستان کی سازش پر دلالت نہیں کیرتا ۔ اس کا مضمون صاف اپنے ملک کے لوگوں کی ترغیب کا ہے ۔ ہندوستان کی خرابی کا ذکر اس بنیاد پر ہے کہ ایرانیوں کو زیادہ تر آمادگی لڑائی پر ہو ۔ نہ اس مطلب سے کہ ہندوستان سے سازش ہو چکی ہے ۔

دلی کے معزول بادشاہ کا ایران کو فرمان لکھنا عجب نہیں مگر بنیاد سرکشی نہیں

دلی کے بادشاہ معزول کا ایران کو فرمان لکھنا ہم کچھ تعجب نہیں سمجھتے ۔ دلی کے معزول بادشاہ کا یہ حال تھا کہ اگر اس سے کہا جاتا کہ پرستان میں جنوں کا بادشاہ آپ کا تابعدار ہے تو وہ اس کو سچ سمجھتا اور ایک چھوڑ دس فرمان لکھ دیتا ۔ دلی کا معزول بادشاہ ہمیشہ خیال کیا کرتا تھا کہ میں مکھی اور مچھر بن کر اڑ جاتا ہوں اور لوگوں کی اور ملکوں کی خبر لے آتا ہوں اور اس بات کو وہ اپنے خیال میں سچ سمجھتا تھا اور درباریوں سے تصدیق چاہتا تھا اور سب تصدیق کرتے تھے ۔ ایسے مالی خولیا والے آدمی نے کسی کے کہے سے کوئی فرمان لکھ دیا ہو تو تعجب نہیں ۔ مگر حاشا کہ وہ کسی طرح بھی سازش کی بنیاد ہو ۔ کیا تعجب نہیں آتا کہ اتنی

بڑی سازش اتنی مدت سے ہو رہی ہو اور ہمارے حکام بالکل بے خبر رہیں۔ سرکشی کے بعد بھی کیا فوجی اور کیا ملکی کسی باغی نے بھی آپس میں کسی قسم کی سازش کا کبھی تذکرہ نہیں کیا حالاں کہ سرکشی کے بعد اُن کو کس کا ڈر تھا ؟

اودھ کی ضبطی اس عام فساد کا باعث نہیں ہوئی

اودھ کی ضبطی کو بھی ہم سبب اس سرکشی کا نہیں سمجھتے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اودھ کی ضبطی سے سب لوگ ناراض ہوئے اور سب نے یقین کیا کہ آنربل ایسٹ انڈیا کمپنی نے خلاف عہد اور اقرار کے کیا۔ عموماً رعایا کو ضبطی اودھ سے اسی قدر ناراضی ہوئی تھی جتنی کہ ہمیشہ ہوا کرتی تھی۔ جب کمپنی کسی ملک کو فتح کرتی تھی جس کا بیان آگے آئے گا زیادہ تر ڈر اور خوف اور ناراضی دلی والیان اور رئیسان خود مختار ہندوستان کو ہوتی تھی۔ سب کو یقین تھا کہ اسی طرح سب کے ملک اور سب کی ریاستیں اور حکومتیں چھینی جاویں گی۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ صاحب ملک رئیسوں میں سے کوئی باغی نہیں ہوا۔ اس فساد میں اکثر وہی لوگ ہیں جن کے ملک اُن کے ہاتھ میں نہیں ہیں۔ اس کے جواب میں یہ مت کہو کہ جھجر کا نواب اور بلب گڑھ کا راجہ اور فلاں فلاں باغی ہوگیا۔

قوم کی سازش واسطے اٹھا دینے غیر قوم کی حکومت کے نہیں

اس فساد کو یہ بھی خیال کرنا نہیں چاہیے کہ اس حسرت اور افسوس کے باعث سے کہ ہندوستانیوں کے قدیم ملک پر غیر قوم قابض ہوگئی تھی تمام قوم نے اتفاق کر کے سرکشی کی۔ سمجھنے کی بات ہے کہ ہماری گورنمنٹ کی عملداری دفعۃً ہندوستان میں نہیں آئی تھی بلکہ رفتہ رفتہ ہوئی تھی جس کی ابتداء ۱۷۵۷ء وقت شکست کھانے سراج الدولہ کے پلاسی پر سے شمار

هوتی ہے ۔ اس زمانے سے چند روز پیشتر تک تمام رعایا اور رئیسوں کے دل ہماری گورنمنٹ کی طرف کھنچتے تھے اور ہماری گورنمنٹ اور اس کے حکام متعہد کے اخلاق اور اوصاف اور رحم اور استحکام عہود اور رعایا پروری اور امن و آسائش سن سن کر جو عملداریاں ہندو اور مسلمانوں کی ہماری گورنمنٹ کے ہمسائے میں تھیں وہ خواہش رکھتی تھیں اس بات کی کہ ہماری گورنمنٹ کی حکومت کے سایہ میں ہوں ۔ بادشاہان ملک غیر بھی کمال اعتماد رکھتے تھے اس کو بہت ہی پکا اور پتھر کی لکیر سمجھتے تھے ۔ باوجودیکہ ہماری گورنمنٹ کو پہلے کی بہ نسبت اب بہت بڑا اقتدار ہے ۔ بر عکس ہندوستانیوں کے کہ ہندوستان کے رئیسوں اور صوبہ داروں اور والیان ملک کو جو طاقت و اختیار پہلے تھا اس کا عشر عشیر بھی اب نہیں ۔ حالاں کہ ان زمانوں میں بہت سی لڑائیاں ہماری گورنمنٹ کو ہندوستان کی ہر قوم ہندو و مسلمان سے پیش آئیں اور ہماری گورنمنٹ فتح یاب ہوتی گئی اور تمام ہندوستانیوں کو یقین تھا کہ ایک دن تمام ہندوستان پر ہماری گورنمنٹ کی حکومت ہوگی اور یہ سب رعایا ہندوستان کی کیا ہندو اور کیا مسلمان ایک دن ہماری گورنمنٹ کے قبضہ قدرت میں آئے گی ۔ باوجود ان باتوں کے اس زمانے میں کسی طرح کی سر کشی اور گورنمنٹ کا مقابلہ نہیں ہوا کہ سب تاریخیں اس ذکر سے خالی ہیں ۔ اگر یہ فساد اس سبب سے ہوتا تو ضرور ہے کہ ان فسادوں کا نمونہ ان زمانوں میں بھی پایا جاتا ۔ خصوصاً اس سبب سے کہ ان زمانوں میں ایسے فسادات کا قابو زیادہ تھا ۔ ان محاربات کے وقت میں جو ۱۸۳۹ء میں شروع تھے جب کہ کسی طرح کی سرکشی ہندوستان میں نہیں ہوئی باوجودیکہ صد ہا سال تک ہندوستان انہیں ملکوں کے بادشاہوں کے

تحت حکومت تھا جن سے کہ محاربات در پیش تھے اور انہیں بادشاہوں کے سبب مسلمانوں کا وجود اوز عروج ہندوستان میں ہوا تھا تو اب ہرگز خیال میں بھی نہیں آتا کہ اب کا فساد مسلمانوں نے حکومت اور اپنی سلطنت کے جاتے رہنے کے رنج سے کیا ہو۔

دلی کے معزول بادشاہ کی وقعت دلی کے لوگوں میں اور ان شہروں میں جو دلی کے قریب تھے کچھ نہ تھی مگر بیرون‌جات میں لارڈ امہرست کا کہنا کہ خاندان تیمور دلی کا بادشاہ نہیں

دلی کے معزول بادشاہ کی سلطنت کا کوئی بھی آرزو مند نہ تھا۔ اس خاندان کی لغو اور بیہودہ حرکات نے سب کی آنکھوں سے اُس کی قدر و منزلت گرا دی تھی۔ ہاں بیرون جات کے لوگ جو بادشاہ کے حالات اور حرکات اور اقتدار اور اختیار سے واقف نہ تھے بلا شبہ بادشاہ کی بڑی قدر سمجھتے تھے اور اس کو ہندوستان کا بادشاہ اور آنربل ایسٹ انڈیا کمپنی کو منتظم ہندوستان جانتے تھے۔ اِلاّ خاص دلی کے اور اس کے قرب و جوار کے رہنے والے بادشاہ کی کچھ بھی وقعت خیال میں نہ لاتے تھے۔ باوجود ان سب باتوں کے ہندوستان کے سب آدمیوں کو بادشاہ کے معدوم ہونے سے کچھ بھی رنج نہ تھا۔ یاد ہوگا کہ جب ۱۸۲۷ء میں لارڈ امہرست صاحب بہادر نے علانیہ کہہ دیا تھا کہ ہماری گورنمنٹ اب کچھ تیموریہ خاندان کے تابع نہیں ہے بلکہ وہ خود ہندوستان کی بادشاہ ہے تو اُس وقت رعایا اور والیان ہندوستان کو کچھ بھی خیال نہیں ہوا تھا گو خاص بادشاہی خاندان کو کچھ رنج ہوا ہو۔

پہلے سے کچھ سازش مسلمانوں میں جہاد کی نہ تھی

مسلمانوں کا بہت روزوں سے آپس میں سازش اور مشورہ کرنا اس ارادے سے کہ ہم باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے لوگوں پر

جہاد کریں اور ان کی حکومت سے آزاد ہو جائیں نہایت بے بنیاد بات ہے - جب کہ مسلمان ہماری گورنمنٹ کے مستامن تھے کسی طرح گورنمنٹ کی عمل داری میں جہاد نہیں کر سکتے تھے -

مولوی محمد اسماعیل کے وعظ اور جہاد کا ذکر

بیس تیس برس پیشتر ایک بہت بڑے نامی مولوی محمد اسماعیل نے ہندوستان میں جہاد کا وعظ کہا اور آدمیوں کو جہاد کی ترغیب دی اس وقت اس نے صاف بیان کیا کہ ہندوستان کے رہنے والے جو سرکار انگریزی کی امان میں رہتے ہیں ہندوستان میں جہاد نہیں کر سکتے - اس لیے ہزاروں آدمی جہادی ہر ایک ضلع ہندوستان میں جمع ہوئے اور سرکاری عمل داری میں کسی طرح کا فساد نہیں کیا اور غربی سرحد پنجاب پر جا کر لڑائی کی اور جو ہر ضلع میں پاجی اور جاہلوں کی طرف سے جہاد کا نام ہوا اگر ہم اس کو جہاد ہی فرض کریں تو بھی اس کی سازش اور صلاح قبل دسویں مئی ۱۸۵۷ء مطلق نہ تھی -

اس ہنگامہ میں کوئی بات مسلمانوں کے مذہب کے مطابق نہیں ہوئی

غور کرنا چاہیے کہ اس زمانے میں جن لوگوں نے جہاد کا جھنڈا بلند کیا ایسے خراب اور بد رویہ اور بد اطوار آدمی تھے کہ بجز شراب خوری اور تماش بینی اور ناچ اور رنگ دیکھنے کے کچھ وظیفہ ان کا نہ تھا - بھلا یہ کیوں کر پیشوا اور مقتدا جہاد کے گنے جا سکتے تھے - اس ہنگامے میں کوئی بات بھی مذہب کے مطابق نہیں ہوئی - سب جانتے ہیں کہ سرکاری خزانہ اور اسباب جو امانت تھا اس میں خیانت کرنا - ملازمین کو نمک حرامی کرنی مذہب کی رو سے درست نہ تھی - صریح ظاہر ہے کہ بے گناہوں کا قتل علی الخصوص عورتوں اور

بچوں اور بڈھوں کا مذہب کے بموجب گناہ عظیم تھا - پھر کیوں کر یہ ہنگامۂ غدر جہاد ہو سکتا تھا - ہاں البتہ چند بد ذاتوں نے دنیا کی طمع اور اپنی منفعت اور اپنے خیالات پورا کرنے اور جاہلوں کے بھکانے کو اور اپنے ساتھ جمعیت جمع کرنے کو جہاد کا نام لے دیا - پھر یہ بات بھی مفسدوں کی حرمزدگیوں میں سے ایک حرمزدگی تھی نہ واقع میں جہاد -

دلی میں جہاد کا فتویٰ جو باغیوں نے چھاپا وہ در اصل جھوٹا ہے

دلی میں جو جہاد کا فتویٰ چھپا وہ ایک عمدہ دلیل جہاد کی سمجھی جاتی ہے مگر میں نے تحقیق سنا ہے اور اس کے اثبات پر بہت دلیلیں ہیں کہ وہ محض بے اصل ہے - میں نے سنا ہے کہ جب فوج نمک حرام میرٹھ سے دلی میں گئی تو کسی نے جہاد کے باب میں فتویٰ چاہا - سب نے فتویٰ دیا کہ جہاد نہیں ہو سکتا - اگرچہ اس پہلے فتویٰ کی میں نے نقل دیکھی ہے مگر جب کہ وہ اصل فتویٰ معدوم ہے تو میں اس نقل کو نہیں کہہ سکتا کہ کہاں تک لائق اعتماد کے ہے - مگر جب بریلی کی فوج دلی میں پہنچی اور دوبارہ فتویٰ ہوا جو مشہور ہے اور جس میں جہاد کرنا واجب لکھا ہے بلا شبہ اصلی نہیں - چھاپنے والا اس فتویٰ کا جو ایک مفسد اور نہایت قدیمی بد ذات آدمی تھا جاہلوں کے بھکانے اور ورغلانے کو لوگوں کے نام لکھ کر اور چھاپ کر اس کو رونق دی تھی - بلکہ ایک آدھ مہر ایسے شخص کی چھاپ دی تھی جو قبل غدر مر چکا تھا - مگر مشہور ہے کہ چند آدمیوں نے فوج باغی بریلی اور اس کے مفسد ہمراہیوں کے جبر اور ظلم سے مہریں بھی کی تھیں -

دلی میں مولویوں کا بڑا گروہ جو معزول بادشاہ کو بدعتی سمجھتا تھا اور اُس کی مقبوضہ مسجدوں میں نماز نہ پڑھتا تھا

دلی میں ایک بڑا گروہ مولویوں اور ان کے تابعین کا ایسا تھا کہ وہ مذہب کی رو سے معزول بادشاہ دلی کو بہت برا اور بدعتی سمجھتے تھے - اُن کا یہ عقیدہ تھا کہ دلی کی جن مسجدوں میں بادشاہ کا قبض و دخل اور اہتمام ہے اُن مسجدوں میں نماز درست نہیں - چناں چہ وہ لوگ جامع مسجد میں بھی نماز نہیں پڑھتے تھے اور غدر سے بہت قبل کے چھپے ہوئے فتوے اس معاملے میں موجود ہیں - پھر کبھی عقل قبول نہیں کر سکتی کہ ان لوگوں نے جہاد کے درست ہونے میں اور بادشاہ کو سردار بنانے میں فتویٰ دیا ہو -

جن کی مہریں فتوے پر چھاپی ہیں، اُن میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو جان اور عزت کی پناہ دی تھی

جن لوگوں کی مہر اُس فتوے پر چھاپی گئی ہے اُن میں سے بعضوں نے عیسائیوں کو پناہ دی اور ان کی جان اور عزت کی حفاظت کی - اُن میں سے کوئی شخص لڑائی پر نہیں چڑھا مقابلے پر نہیں آیا - اگر واقع میں وہ ایسا ہی سمجھتے جیسا کہ مشہور ہے تو یہ باتیں کیوں کرتے - غرض کہ میری رائے میں کبھی مسلمانوں کے خیال میں بھی نہیں آیا کہ باہم متفق ہو کر غیر مذہب کے حاکموں پر جہاد کریں اور جاہلوں اور مفسدوں کا غلغلہ ڈال دینا کہ جہاد ہے جہاد ہے اور ایک نعرۂ حیدری پکارتے پھرنا قابل اعتبار کے نہیں - ہاں البتہ مسلمانوں کو جس قدر ناراضی باعتبار مذہب کے تھی اور جس سبب سے تھی وہ ہم آئندہ صاف بیان کریں گے - اس میں کچھ شک نہیں کہ ہندوؤں کی بہ نسبت مسلمانوں کو ہر ایک بات میں زیادہ تر ناراضی تھی اور یہی سبب ہے کہ مسلمان

به نسبت ہندوؤں کے بعض اضلاع میں زیادہ تر مفسد ہو گئے ۔ گو جن اضلاع میں کہ ہندوؤں نے فساد کیا تھا وہ بھی کچھ کم نہیں ہے ۔

پہلے سے فوج میں بغاوت کی صلاح نہ تھی

فوج میں ہرگز مشورہ اور پہلے سے صلاح نہ تھی ۔ تحقیقی بات ہے کہ باغیان فوج نے بعد بغاوت بھی کبھی اس بات کا آپس میں بھی ذکر نہیں کیا ۔ ہاں بارک پور کے واقعہ کے بعد اور خصوصاً اس زمانے میں جب کہ پنجاب میں قواعد جدید سکھانے کو متعدد پلٹنوں کے آدمی جمع کیے گئے آپس میں یہ صلاح ٹھہری اور اُس پر یہ اتفاق ہوا کہ جدید کارتوس کبھی استعمال میں نہ لائیں گے ۔ اُس وقت بھی اور کسی قسم کا ارادہ اور نیت نہ تھی بلکہ یقینی سمجھتے تھے کہ سرکار اس بات کو موقوف کر دے گی ۔ اگرچہ یہ موقوف ہوا مگر دسویں مئی ١٨٥٧ء کے بعد موقوفی سے کچھ فائدہ اس فساد کے رفع ہونے میں جو ہوگیا تھا نہ تھا اور وہ آگ اس قابل نہ تھی کہ ایسی تدبیروں سے بجھ سکے ۔

پہلے سے فوجِ باغی کی بادشاہ دھلی سے سازش نہ تھی

فوجِ باغی کا پہلے سے دلی کے معزول بادشاہ سے سازش کرنا محض بے اصل ہے ۔ دلی کے بادشاہ کو کوئی شخص ولی اور مقدس نہیں سمجھتا تھا ۔ اُس کے منہ پر لوگ اس کی خوشامد کرتے تھے اور پیٹھ پیچھے ہنستے تھے ۔ لوگ اُس کے مرید ہوتے تھے ۔ کسی فائدے کی نظر سے نہ بطور اعتقاد ۔ کچھ عجب نہیں کہ کسی پلٹن کا کوئی تلنگہ یا صوبہ دار مرید ہوا ہو مگر اس بات کو سازش بغاوت سے کچھ بھی علاقہ نہیں ہے ۔ بلا شبہ فوجِ باغی دلی پر جمع ہو گئی مگر جب اُس نے سرکار سے بگاڑ دی تھی تو دلی کے بادشاہ کے سوا ایسا کون شخص تھا کہ

جس کی طرف فوج رجوع کرتی ۔ اس میں کچھ پہلے سے سازش کی حاجت نہ تھی ۔ بلا شبہ جو ہیئت بادشاہ دلی کی سرکار نے بنا رکھی تھی وہ بہت نا مناسب اور قابل اعتراض کے تھی اور جناب لارڈ الن برا صاحب بہادر نے جو تجویز کی تھی وہ بے شک لائق منظوری کے تھی بلکہ اس سے زیادہ عمل درآمد کرنا واجب تھا ۔ بے شک دلی کا بادشاہ بھوبل میں کی ایک چنگاری تھا جس نے ہوا کے زور سے اڑ کر تمام ہندوستان کو جلا دیا ۔

شریک نہ ہونا ہندوستانیوں کا لیجسلیٹو کونسل میں اصلی سبب فساد کا ہوا ۔

اصلی سبب اس فساد کا میں تو ایک ہی سمجھتا ہوں ۔ باقی جس قدر اسباب ہیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں اور یہ سمجھ میری کچھ وہمی اور قیاسی نہیں ہے بلکہ اگلے زمانے کے بہت سے عقل مندوں کی رائے کا اس بات پر اتفاق ہو چکا ہے اور تمام مصنفین پرنسپل آف گورنمنٹ کے اس باب میں میرے طرف دار ہیں اور تمام تاریخیں یورپ اور افریقہ کی میری رائے کی صداقت پر بہت معتمد گواہ ہیں ۔

یہ بات بہت ضروری تھی ۔

سب لوگ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ واسطے اسلوبی اور خوبی اور پائےداری گورنمنٹ کے مداخلت رعایا کی حکومت کے معاملات میں واجبات سے ہے ۔ حکام کو بھلائی یا برائی تدبیر کی صرف لوگوں سے معلوم ہوتی ہے ۔ پیشتر اس سے کہ خرابیاں اس درجہ کو پہنچیں کہ پھر جن کا علاج ممکن نہ ہو ۔ شعر

سر چشمہ شاید گرفتن بمیل
چو پرشد نشاید گزشتن بہ پیل

اور یہ بات نہیں حاصل ہوتی جب تک کہ مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں نہ ہو ۔ علی الخصوص ہماری گورنمنٹ کو جو

غیر ملک کی رہنے والی تھی اور مذہب اور رواج اور راہ و رسم
اور طبیعت اور عادت بھی اس ملک سے مختلف رکھتی تھی - اس
بات پر خیال رکھنا واجبات سے تھا- گورنمنٹ کا انتظام اور اس کی
خوبی اور اسلوبی اور پائے داری ملکی اطوار اور عادات کی واقفیت
اور پھر اس کی رعایت پر موقوف ہے کیوں کہ اگلی تاریخوں کے
دیکھنے سے جو در حقیقت ایک روزنامچہ ہے عادات اور خیالات
اور اطوار مختلفہ نوع انسان کا معلوم ہو سکتا ہے کہ اُن کی
عادتیں اور خیالات اور اطوار موافق کسی عقلی قاعدے کے حاصل
نہیں ہوئی ہیں بلکہ ہر ایک ملک اور قوم میں بہ حسب اتفاق
ہو گئی ہیں - پس قواعد گورنمنٹ اُن اوضاع اور اطوار پر موقوف
ہیں نہ یہ کہ وہ اوضاع اور اطوار اور عادات قواعد گورنمنٹ پر
اور اسی بات پر گورنمنٹ کی پائے داری اور قیام ہے - کیوں کہ
جب تک وہ عادتیں اور اخلاق رعایا کے دل میں مستحکم اور
بمنزلۂ خاصیت انسانی کے نہ ہو گئے ہوں اُس وقت تک اُن کے
برخلاف کرنا صریح خاصیت انسانی کے برخلاف کرنا اور سب کو
رنجیدہ رکھنا ہے - کیا ہم بھول جائیں گے بنگالے کی اُس بے انتظامی
کی حالت کو جو ۱۷۶۵ء میں بر وقت تفویض ہونے دیوانی بنگلہ
کمپنی انگریز بہادر اسی نا واقفیت کے سبب ہوئی تھی باوصفیکہ
جان کلارک مارشمن صاحب کی تاریخ اُسے یاد دلا رہی ہے اور
کیا یاد نہ رہے گی ہم کو وہ خوبی جو بنگالے میں لارڈ ہسٹنگز
صاحب بہادر کی زبان دانی اور ملکی راہ و رسم کی واقفیت سے
حاصل ہوئی تھی -

بلا شبہ پارلیمنٹ میں ہندوستان کی رعایا کی مداخلت
غیر ممکن اور بے فائدہ محض تھی مگر لیجسلیٹو کونسل میں
مداخلت نہ رکھنے کی کوئی وجہ نہ تھی - پس یہی ایک بات ہے

جو جڑ ہے تمام ہندوستان کے فساد کی اور جتنی باتیں اور جمع ہوتی گئیں وہ سب اس کی شاخیں ہیں ۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہماری گورنمنٹ نے ملکی حالات اور اطوار دریافت کرنے میں کوشش نہیں کی بلکہ ہم اس کے بدل مقرہیں اور بعض قوانین گورنمنٹ اور ہدایات بورڈ آف ریونیو اور آنریبل تامسن صاحب کے ہدایات نامۂ مال کو اس کا گواہ سمجھتے ہیں مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ گورنمنٹ نے رعایا کے حالات اور خیالات اور عادات اور اوضاع اور اطوار اور طبیعت اور طنیت اور لیاقت کے دریافت کرنے میں توجہ نہیں کی ۔ بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم تھا کہ ہماری رعیت ہر دن کیسا گزرتا ہے اور رات کس مصیبت کی آتی ہے اور وہ دن بدن کس مصیبت میں پڑتے جاتے ہیں اور کیا کیا رنج روز بروز اُن کے دل میں جمتے جاتے ہیں جو رفتہ رفتہ بہت کثرت سے جمع ہوگئے تھے اور ایک ادنٰی تحریک سے دفعۃً بہہ پڑے ۔

اس سبب سے رعایا کا منشا گورنمنٹ پر نہ کھلا اور گورنمنٹ کا نیک ارادہ ہندوستانیوں پر ظاہر نہ ہوا بلکہ برعکس سمجھا گیا ۔

لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستان کے شریک نہ ہونے سے صرف اتنا ہی نقصان نہیں ہوا کہ گورنمنٹ کو اصلی مضرت قوانین و ضوابط کی جو جاری ہوئے بخوبی معلوم نہیں ہو سکی اور اغراضِ عام رعایا جس کا لحاظ رکھنا گورنمنٹ کو واجبات سے تھا ملحوظ نہیں رہیں اور رعایا کو اس مضرت کے رفع کرنے اور اپنے مطلب کے پیش کرنے کی فرصت اور قدرت نہیں ملی بلکہ بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ رعایا کو منشاء اور اصلی مطلب اور دلی ارادہ گورنمنٹ کا معلوم نہ ہوا ۔ گورنمنٹ کی ہر تجویز پر رعایا کو غلط فہمی ہوئی ۔ جو تجویز گورنمنٹ کی ہوتی تھی

ہندوستانیوں کو بہ سبب اس کے کہ وہ لوگ اس میں شریک نہ تھے اور اس کی لم سے وہ واقف نہ تھے۔ اس لیے ان کو اس کی بنیاد معلوم نہ ہوئی اور وہ ہمیشہ یہی سمجھے کہ یہ بات ہمارے اور ہمارے ہم وطنوں کے خراب اور برباد اور ذلیل اور بے دھرم کرنے کو ہے اور وہ بعض باتیں جو در حقیقت گورنمنٹ سے برخلاف رواج اور مخالف طبیعت اور طینت ہندوستانیوں کے صادر ہوئی تھیں قطع نظر اس کے کہ وہ فی نفسہ اچھی تھیں یا بری زیادہ تر اُن کے غلط خیالات کو تقویت دیتی تھیں ۔ رفتہ رفتہ یہ نوبت پہنچ گئی کہ رعایا ہندوستان کی ہماری گورنمنٹ کو میٹھے زہر اور شہد کی چھری اور ٹھنڈی آنچ کی مثال دیا کرتی تھی اور اس کو اپنے دل میں سچ سمجھتی تھی اور یہ جانتی تھی کہ اگر ہم آج گورنمنٹ کے ہاتھ سے بچے ہوئے ہیں تو کل نہیں اور کل ہیں تو پرسوں نہیں اور کوئی شخص اُن کے حالات کا پوچھنے والا اور کوئی تدبیر اُن کے اس غلط خیال کو دور کرنے والی نہ تھی ۔ جب کہ رعایا کا گورنمنٹ کے ساتھ یہ حال ہو جو دلی دشمن کے ساتھ ہونا چاہیے تو پھر کیا توقع ہو سکتی ہے وفاداری کی ایسی گورنمنٹ کو ایسی رعایا سے اور جب کہ ہماری گورنمنٹ در حقیقت ایسی نہ تھی تو ان غلط خیالات کا ہندوستانیوں کے دل میں جمنا اور جو رنج کہ اُن کے دل پر تھا اُن کا علاج نہ ہونا صرف اسی سبب سے تھا کہ لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانی شریک نہ تھے ۔ اگر ہوتے تو یہ سب باتیں رفع ہوتی جاتیں ۔ اب اگر غور سے دیکھا جائے تو صرف یہی ایک بات ہے جس نے اپنی بہت سی شاخیں پیدا کر کے تمام ہندوستان میں بے جا فساد کر دیا ۔

یہ مت کہو کہ ہماری گورنمنٹ نے چھاپہ خانوں میں سوائے گالی اور افترا اور جن باتوں سے فتنہ یا سرکشی وقوع

میں آئے اور سب امورات چھاپنے کی اجازت دی تھی اور قانون جاری ہونے سے پہلے مشہور کیا جاتا تھا اور ہر شخص کو اُس پر عذرات پیش کرنے کا اختیار تھا کیوں کہ یہ امور اُن بڑی عظیم الشان باتوں کے علاج کو جس کا ہم ذکر کرتے ہیں محض نا کافی بلکہ محض بے فائدہ تھے -

اور ہم نہیں چاہتے کہ اس مقام پرہم سے یہ گفت‌گو کی جائے کہ ہندوستانیوں کا جو نہایت جاہل ہیں اور بے تربیت ، لیجسلیٹو کونسل میں شریک ہونا کس طرح ہوتا اور کیا قاعدہ ہندوستانیوں کی شرکت کا نکلتا اور اگر رعایائے ہندوستان کو مثل پارلیمنٹ کے لیجسلیٹو کونسل میں مداخلت دی جاتی تو طریقہ اُن کے انتخاب کا کیا ہوتا اور اس میں بہت سی مشکلیں پیش آتیں پس اس مقام پر ہم کو صرف اتنا ثابت کرنا ہے کہ یہ بات گورنمنٹ کے لیے بہت اچھی اور پُر ضرور تھی اور اسی کے نہ ہونے کے سبب یہ فساد برپا ہوئے اور طریقۂ مداخلتِ رعایا کی بابت ہماری علیحدہ رائے ہے اُس کو دیکھنا چاہیے اور جو بحث ہو وہاں کرنی چاہیے -

سرکشی کا ہونا پانچ اصول پر مبنی ہے -

یہ نقص جو ہماری گورنمنٹ میں تھا اُس نے تمام ہندوستان کے حالات میں سرایت کی اور جس قدر اسباب سرکشی کے جمع ہو گئے گو وہ اسی ایک امر پر متفرع ہیں مگر غور کر کے سب کو احاطہ میں لایا جائے تو پانچ اصول پر مبنی ہوتے ہیں -

اول - غلط فہمی رعایا یعنی برعکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا -

دوم - جاری ہونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقۂ حکومت کا جو ہندوستان کی حکومت اور ہندوستانیوں کی عادات کے مناسب

نه تھے یا مضرت رسانی کرتے تھے -

سوم - ناواقف رهنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور ان مصائب سے جو اُن پر گزرتی تھیں اور جن سے رعایا کا دل گورنمنٹ سے پھٹتا جاتا تھا -

چہارم - ترک ہونا اُن امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجا لانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لیے واجب اور لازم تھا -

پنجم - بدانتظامی اور بے اہتمامی فوج کی -

اب ہم ان پانچوں اصل کی تفصیل اور اُس کی ہر ہر شاخ کو جدا جدا بیان کرتے ہیں و باللہ التوفیق -

اصل اول

اول غلط فہمی رعایا -

غلط فہمی رعایا یعنی بر عکس سمجھنا تجاویز گورنمنٹ کا -

اس مقام پر جتنی باتیں ہم بیان کرتے ہیں اُن سے ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ در حقیقت ہماری گورنمنٹ میں یہ باتیں تھیں بلکہ یہ مطلب ہے کہ لوگوں نے یوں غلط سمجھا اور سرکشی کا سبب ہوگیا - اگر ہندوستانی آدمی بھی لیجسلیٹو کونسل میں مداخلت رکھتے تو یہ غلط فہمی واقع نہ ہوتی -

مداخلت مذہبی سمجھنا -

مداخلت مذہبی - کچھ شبہ نہیں کہ تمام لوگ جاہل اور قابل اور اعلی اور ادنی یقین جانتے تھے کہ ہماری گورنمنٹ کا دلی ارادہ ہے کہ مذہب اور رسم و رواج میں مداخلت کرے اور سب کو کیا ہندو اور کیا مسلمان ، عیسائی مذہب اور اپنے ملک کی رسم و رواج پر لا ڈالے اور سب سے بڑا سبب اس سرکشی میں یہی ہے -

ہر شخص دل سے جانتا تھا کہ ہماری گورنمنٹ کے احکام بہت آہستہ آہستہ ظہور میں آتے ہیں اور جو کام کرنا ہوتا ہے رفتہ رفتہ کیا کرتے ہیں ۔ اس واسطے دفعۃً اور جبراً مسلمانوں کی طرح دین بدلنے کو نہیں کہتے مگر جتنا جتنا قابو پاتے جائیں گے اتنی اتنی مداخلت کرتے جائیں گے اور جو باتیں رفتہ رفتہ ظہور میں آئیں گئیں جن کا بیان آگے آئے گا آن کے اس غلط شبہ کو زیادہ تر مستحکم اور مضبوط کرتی گئیں ۔ سب کو یقین تھا کہ ہماری گورنمنٹ علانیہ جبر مذہب بدلنے پر نہیں کرے گی بلکہ خفیہ تدبیریں کر کے مثل نابود کر دینے علم عربی و سنسکرت کے اور مفلس اور محتاج کر دینے ملک کے اور لوگوں کو جو آن کا مذہب ہے آس کے مسائل سے نا واقف کر کے اور اپنے دین و مذہب کی کتابیں اور مسائل اور وعظ کو پھیلا کر نوکریوں کا لالچ دے کر لوگوں کو بے دین کر دیں گے ۔

سکندرہ کے یتیموں کا ذکر۔

۱۸۳۷ء کی قحط سالی میں جو یتیم لڑکے عیسائی کیے گئے وہ تمام اضلاع ممالک مغربی و شمالی میں ارادہ گورنمنٹ کا ایک نمونہ گنے جاتے تھے کہ ہندوستان کو اس طرح پر مفلس اور محتاج کر کے اپنے مذہب میں لے آئیں گے ۔ میں سچ کہتا ہوں کہ جب سرکار آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کوئی ملک فتح کرتی تھی ہندوستان کی رعایا کو کمال رنج ہوتا تھا اور یہ بھی میں سچ کہتا ہوں کہ منشاء اس رنج کا اور کچھ نہیں ہوتا تھا بجز اس کے کہ لوگ جانتے تھے کہ جوں جوں اختیار ہماری گورنمنٹ کا زیادہ ہوتا جائے گا اور کسی دشمن اور ہمسایہ حاکم کے مقابلے اور فساد کا اندیشہ نہ رہے گا ووں ووں ہمارے مذہب اور رسم و رواج میں زیادہ تر مداخلت کریں گے ۔

مذہبی گفتگو بہت ہوئی۔

ہماری گورنمنٹ کی ابتدائے حکومت ہندوستان مین گفت‌گو مذہب کی بہت کم تھی روز بروز زیادہ ہوتی گئی اور اس زمانہ میں بدرجہ کمال پہنچ گئی ۔ اس مین کچھ شک نہین کہ ہماری گورنمنٹ کو ان امور مین کچھ مداخلت نہ تھی مگر ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ یہ سب معاملے بموجب حکم اور بموجب اشارہ اور مرضی گورنمنٹ ہوتے ہیں یہ سب جانتے تھے کہ گورنمنٹ نے پادری صاحبوں کو ہندوستان میں مقرر کیا ہے ۔ گورنمنٹ سے پادری صاحب تنخواہ پاتے ہیں ۔ گورنمنٹ اور حکام انگریزی ولایت زا جو اس ملک میں نوکر ہیں وہ پادری صاحبوں کو بہت سا روپیہ واسطے خرچ کے اور کتابیں بانٹنے کو دیتے ہیں اور ہر طرح ان کے مددگار اور معاون ہیں۔

حکام متعہد کا مشنری طریقہ برتنا

اکثر حکام متعہد اور افسران فوج نے اپنے تابعین سے مذہب کی گفت‌گو شروع کی تھی ۔ بعضے صاحب اپنے ملازموں کو حکم دیتے تھے کہ ہماری کوٹھی پر آن کر پادری صاحب کا وعظ سنو اور ایسا ہی ہوتا تھا ۔ غرض کہ اس بات نے ایسی ترقی پکڑی تھی کہ کوئی شخص نہیں جانتا تھا کہ گورنمنٹ کی عمل داری میں ہمارا یا ہماری اولاد کا مذہب قائم رہے گا ۔

پادری صاحبوں کا وعظ۔

پادری صاحبوں کے وعظ نے نئی صورت نکالی تھی ۔ تکرار مذہب کی کتابیں بطور سوال و جواب چھپنی اور تقسیم ہونی شروع ہوئیں ۔ اُن کتابوں مین دوسرے مذہب کے مقدس لوگوں کی نسبت الفاظ اور مضامین رنج دہ مندرج ہوئے ۔ ہندوستان میں دستور وعظ اور کتھا کا یہ ہے

کہ اپنے اپنے معبد یا مکان پر بیٹھ کر کہتے ہیں - جس کا دل چاہے اور جس کو رغبت ہو وہاں جا کر سنے - پادری صاحبوں کا طریقہ اس کے بر خلاف تھا - وہ خود غیر مذہب کے مجمع اور تیرتھ گاہ میلہ میں جا کر وعظ کہتے تھے اور کوئی شخص صرف حکام کے ڈر سے مانع نہ ہوتا تھا - بعض ضلعوں میں یہ رواج نکلا کہ پادری صاحبوں کے ساتھ تھانے کا ایک چپراسی جانے لگا - پادری صاحب وعظ میں صرف انجیل مقدس ہی کے بیان پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ غیر مذہب کے مقدس لوگوں کو اور مقدس مقاموں کو بہت برائی سے اور ہتک سے یاد کرتے تھے جس سے سننے والوں کو نہایت رنج اور دلی تکلیف پہنچتی تھی اور ہماری گورنمنٹ سے ناراضی کا بیج لوگوں کے دل میں بویا جاتا تھا -

مشنری سکول | مشنری سکول بہت جاری ہوئے اور ان میں مذہبی تعلیم شروع ہوئی - سب لوگ کہتے تھے کہ سرکار کی طرف سے ہیں - بعض اضلاع میں بہت بڑے بڑے عالی قدر حکام متعہد ان اسکولوں میں جاتے تھے اور لوگوں کو ان میں داخل اور شامل ہونے کی ترغیب دیتے تھے - امتحان مذہبی کتابوں میں لیا جاتا تھا اور طالب علموں سے جو لڑکے کم عمر ہوتے تھے پوچھا جاتا تھا کہ تمہارا خدا کون؟ تمہارا نجات دینے والا کون؟ اور وہ عیسائی مذہب کے موافق جواب دیتے تھے - اس پر ان کو انعام ملتا تھا - ان سب باتوں سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھرتا جاتا تھا -

یہاں ایک بڑا اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر لوگ اس تعلیم سے ناراض تھے تو اپنے لڑکوں کو ان سکولوں میں کیوں داخل کرتے تھے - اس بات کو عدم ناراضی پر خیال کرنا نہیں چاہیے - بلکہ یہ

ایک بڑی دلیل ہے ہندوستان کے کمال خراب حال اور مفلس اور نہایت تنگ اور تباہ حال ہونے پر ۔ یہ صرف ہندوستان کی محتاجی اور مفلسی کا باعث تھا کہ لوگ اس خیال سے کہ ان اسکولوں میں داخل ہو کر ہماری اولاد کو کچھ وجہ معیشت اور روزگار حاصل ہوگا ایسی سخت بات جس سے بلا شبہ اُن کو رنج اور روحانی غم تھا گوارا کرے تھے نہ رضا مندی سے ۔

دیہاتی مکاتب

دیہاتی مکتبوں کے مقرر ہونے سے سب لوگ یقین سمجھتے تھے کہ صرف عیسائی بنانے کو یہ مکتب جاری ہوئے ہیں ۔ پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی کمشنر جو ہر گاؤں اور قصبہ میں لوگوں کو نصیحت کرتے پھرتے تھے کہ لڑکوں کو مکتبوں میں داخل کرو ۔ ہر ہر گاؤں میں کالا پادری اُن کا نام تھا ۔ جس گاؤں میں پرگنہ وزیٹر یا ڈپٹی انسپکٹر پہنچا اور گنواروں نے آپس میں چرچا کیا کہ کالا پادری آیا ۔ عوام الناس یوں خیال کرتے تھے کہ یہ عیسائی مکتب ہیں اور کرسٹان بنانے کو بٹھاتے ہیں اور فہمیدہ آدمی اگرچہ یہ نہیں سمجھتے تھے مگر یوں جانتے تھے کہ ان مکاتب میں صرف اُردو کی تعلیم ہوتی ہے ۔ ہمارے لڑکے اس میں پڑھ کر اپنے مذہب کے احکام اور مسائل اور اعتقادات اور وسمیات سے بالکل ناواقف ہو جائیں گے اور عیسائی بن جائیں گے اور یوں سمجھتے تھے کہ گورنمنٹ کا یہی ارادہ ہے کہ ہندوستان کے مذہبی علوم کو معدوم کر دے تاکہ آئندہ کو عیسائی مذہب پھیل جائے ۔ اکثر اضلاع شرقی ہندوستان میں ان مکتبوں کا جاری ہونا اور لڑکوں کا داخل ہونا صاف تحکماً ہوا اور کہہ دیا کہ گورنمنٹ کا حکم ہے کہ لڑکوں کو داخل کیا جائے ۔

لڑکیوں کے اسکول کا اجراء

لڑکیوں کی تعلیم کا بہت چرچا ہندوستان میں تھا اور سب یقین جانتے تھے کہ سرکار کا مطلب یہ ہے کہ لڑکیاں اسکول میں آئیں اور تعلیم پائیں اور بے پردہ ہو جائیں ۔ یہ بات حد سے زیادہ ہندوستانیوں کو ناگوار تھی ۔ بعض بعض اضلاع میں اس کا نمونہ قائم ہوگیا تھا ۔ پرگنہ وزیٹر اور ڈپٹی انسپکٹر یہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم سعی کر کے لڑکیوں کے مکتب قائم کر دیں گے تو ہماری بڑی نیک نامی گورنمنٹ میں ہوگی ۔ اس سبب سے وہ ہر طرح پر بہ طریق جائز و ناجائز لوگوں کو واسطے قائم کرنے لڑکیوں کے مکتبوں کے فہمائش کرتے تھے اور اس سبب سے زیادہ تر لوگوں کے دلوں کو ناراضی تھی اور اپنے غلط خیالات کا ان کو یقین ہوتا جاتا تھا ۔

بڑے کالجوں میں طریقہ تعلیم کا تبدل

بڑے بڑے کالج جو شہروں میں مقرر تھے اول اول گو ان سے بھی کچھ کچھ دھشت لوگوں کو ہوئی تھی ۔ اس زمانے میں شاہ عبدالعزیز جو تمام ہندوستان میں نہایت نامی مولوی تھے ۔ مسلمانوں نے ان سے فتویٰ پوچھا ۔ انہوں نے صاف جواب دیا کہ کالج انگریزی میں جانا اور پڑھنا اور انگریزی زبان کا سیکھنا بموجب مذہب کے سب درست ہے ۔ اس پر سینکڑوں مسلمان کالجوں میں داخل ہوئے مگر اس زمانے میں کالجوں کا حال ایسا نہ تھا بلکہ ان میں تعلیم کا سررشتہ بہت اچھا تھا ۔ ہر قسم کے علوم فارسی اور عربی سنسکرت اور انگریزی پڑھائے جاتے تھے ۔ فقہ اور حدیث اور علم ادب پڑھانے کی اجازت تھی ۔ فقہ میں امتحان ہوتا تھا ۔ سندیں ملتی تھیں کسی طرح کی ترغیب مذہبی نہ تھی ۔ مدرس بہت ذی عزت اور معتبر اور مشہور اور ذی علم اور پرہیزگار مقرر ہوتے تھے

مگر آخر کو یہ بات نہ رہی ۔ قدر عربی کی بہت کم ہو گئی اور فقہ اور حدیث کی تعلیم یکسر جاتی رہی ۔ فارسی بھی چنداں قابل لحاظ نہ رہی ۔ تعلیم کی صورت اور کتابوں کے رواج نے بالکلیہ تغیر پکڑا اردو اور انگریزی کا رواج بہت زیادہ ہوا جس کے سبب سے وہی شبہ کہ گورنمنٹ کو ہندوستان کے مذہبی علوم کا معدوم کرنا منظور ہے؛ قائم ہوگیا ۔ مدرس لوگ معتبر اور ذی علم نہ رہے ۔ وہی مدرسہ کے طالب علم کہ جنھوں نے ابھی تک لوگوں کی آنکھوں میں اعتبار پیدا نہ کیا تھا مدرس ہونے لگے اس لیے ان مدرسوں کا بھی وہی حال ہوگیا ۔

گورنمنٹ کا اشتہار در باب استحقاق نوکری

ادھر تو دیہاتی مکاتب اور کالجوں کا یہ حال تھا کہ ان پر سب کو شبہ رواج دینے مذہب عیسائی کا ہو رہا تھا کہ دفعۃً پیش گاہ گورنمنٹ سے اشتہار جاری ہوا کہ جو شخص مدرسے کا تعلیم یافتہ ہوگا اور فلاں فلاں علوم اور زبان انگریزی میں امتحان دے کر سند یافتہ ہوگا وہ نوکری میں سب سے مقدم سمجھا جائے گا ۔ چھوٹی چھوٹی نوکریاں بھی ڈپٹی انسپکٹروں کے سرٹیفکیٹ پر جن کو ابھی تک سب لوگ کالا پادری سمجھتے تھے منحصر ہو گئیں اور ان غلط خیالات کے سبب لوگوں کے دل پر ایک غم کا بوجھ پڑ گیا اور سب کے دل میں ہماری گورنمنٹ سے ناراضی پیدا ہو گئی اور لوگ یہ سمجھے کہ ہندوستان کو ہر طرح بے معاش اور محتاج کیا جا رہا ہے تاکہ مجبور ہو کر رفتہ رفتہ ان لوگوں کی مذہبی باتوں میں تغیر و تبدل ہو جائے ۔

جیل خانوں میں اختلاط اکل و شراب

اسی زمانہ میں بعض اضلاع میں تجویز ہوئی کہ قیدی جیل خانوں میں ایک شخص کے

ھاتھ کا پکا ھوا کھائیں جس سے ھندوؤں کا مذھب بالکل جاتا رھتا تھا ۔ مسلمانوں کے مذھب میں اگرچہ کچھ نقصان نہیں آتا تھا مگر اس کا رنج سب کے دل پر تھا کہ سرکار ھر ایک کا مذھب لینے پر آمادہ اور ھر طرح پر اس کی تدبیر میں ھے ۔

پادری اے ایڈمنڈ کی چٹھیات کا اجراء

یہ سب خرابیاں لوگوں کے دلوں میں ھو رھی تھیں کہ دفعۃً ۱۸۵۵ء میں پادری ایڈ منڈ نے دارالامارت کلکتہ سے عموماً اور خصوصاً سرکاری معزز نوکروں کے پاس چٹھیات بھیجیں جن کا مطلب یہ تھا کہ اب تمام ھندوستان میں ایک عملداری ھو گئی ۔ تار برق سے سب جگہ کی خبر ایک ھوگئی ، ریلوے سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت ایک ھو گئی ، مذھب بھی ایک چاھیے ، اس لیے مناسب ھے کہ تم لوگ بھی عیسائی ایک مذھب ھو جاؤ ۔ میں سچ کہتا ھوں کہ ان چٹھیات کے آنے کے بعد خوف کے مارے سب کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا ۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی ۔ سب کو یقین ھو گیا کہ ھندوستانی جس وقت کے منتظر تھے وہ وقت اب آگیا ۔ اب جتنے سرکاری نوکر ھیں اول ان کو کرسٹان ھونا پڑے گا اور پھر تمام رعیت کو ۔ سب لوگ بے شک سمجھتے تھے کہ یہ چٹھیاں گورنمنٹ کے حکم سے آئی ھیں ۔ آپس میں ھندوستانی لوگ اھل کاران سرکاری سے پوچھتے تھے کہ تمھارے پاس بھی چٹھی آئی ۔ اس کا مطلب یہ ھوتا تھا کہ تم بھی بسبب لالچ نوکری کے کرسٹان ھوگئے ۔ ان چٹھیوں نے یہاں تک ھندوستانی اھل کاروں کو الزام لگایا کہ جن کے پاس چٹھیاں آئی تھیں وہ مارے شرمندگی اور بد نامی کے چھپاتے تھے اور انکار کرتے تھے کہ ھمارے پاس تو نہیں آئی ۔ لوگ جواب دیتے تھے کہ اب آجائے گی کیا تم سرکار کے نوکر نہیں ھو ۔ اگر سچ پوچھو تو یہ چٹھیاں

تمام هندوستانیوں کے غلط شبہات کو پکا اور مستحکم کرنے والی تھیں چناں چہ انھوں نے کر دیا اور اس کے مٹانے کو کوئی تدبیر کار گر نہ ہوئی ۔

کچھ عجب نہ تھا کہ اس زمانے میں کچھ برھمی اور تھوڑا بہت فساد ملک میں شروع ہو جاتا چناں چہ اس وقت کے حالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب معلٰی القاب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر بنگال نے بہت جلد خبر لی اور ایک اشتہار جاری کیا جس سے فی الجملہ لوگوں کے دلوں میں تسلی ہوئی اور وہ اضطرار جو ہوگیا تھا وہ دھیما ہوا مگر جیسا کہ چاہیے ویسا قلع قمع اس کا نہ ہوا ۔ لوگ سمجھے کہ بالفعل یہ بات موقوف ہو گئی ۔ پھر کبھی قابو پا کے وقت پر جاری ہوگی ۔

مسلمانوں کو مداخلت امور مذہبی سے زیادہ رنج ہونا اور اس کا سبب ۔

ان سب باتوں سے مسلمان بہ نسبت ہندو کے بہت زیادہ ناراض تھے ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہندو اپنے مذہب کے احکام بطور رسم و رواج کے ادا کرتے ہیں نہ بطور احکام مذہب کے ۔ ان کو اپنے مذہب کے احکام اور عقائد اور وہ دلی اور اعتقادی باتیں جن پر نجات عاقبت کی موافق ان کے مذہب کے منحصر ہے مطلق معلوم نہیں ہیں اور نہ ان کے برتاؤ میں ہیں ۔ اس سبب سے وہ اپنے مذہب میں نہایت سست ہیں اور بجز ان رسمی باتوں کے اور کھانے پینے کے پرھیز کے اور کسی مذہبی عقیدے میں پختہ اور متعصب نہیں ہیں ۔ ان کے سامنے ان کے اس عقیدے کے جس کا دل میں اعتقاد چاہیے برخلاف باتیں ہوا کریں ان کو کچھ غصہ یا رنج نہیں آتا ۔ برخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مذہب کے عقائد کے بموجب جو باتیں کہ ان کے مذہب میں نجات دینے والی اور عذاب میں ڈالنے والی

هین بخوبی جانتے هین اور ان احکام کو مذهبی احکام اور خدا کی طرف سے احکام سمجھ کر کرتے هین ۔ اس سبب سے اپنے مذهب مین پخته اور متعصب هین ۔ ان وجوهات سے مسلمان زیادہ تر ناراض تھے اور هندوؤں کی به نسبت زیادہ تر فساد مین ان کا شریک هونا قرین قیاس تھا چناں چه یهی هوا ۔ بلاشبه جتنی گورنمنٹ کی مداخلت مذهب مین خلاف قواعد ملک داری هے ویسا هی کسی مذهب کی تعلیم کو روکنا، علی الخصوص اس مذهب کے جس کو وہ حق سمجھتے هین برخلاف اور بے جا هے مگر همارا مطلب صرف اتنا هے که باوجودے که هماری گورنمنٹ ایسی هی هے مگر کام اس طرح پر هوئے که رعایا کا یه غلط شبه رفع نه هوا ۔

اصل دوم

دوم اجرائے ضوابط آئین نامناسب ۔

جاری هونا ایسے آئین اور ضوابط اور طریقه حکومت کا جو هندوستانیوں کے عادات کے مناسب نه تھے ۔

ایکٹ ۲۱، ۱۸۵۰ء

لیجسلیٹو کونسل سے بھی امور مذهبی مین مداخلت هوئی ۔ ایکٹ ۲۱، ۱۸۵۰ء صاف مذهبی قواعد پر خلل انداز تھا ۔ پھر اس ایکٹ سے ایک یه بدگمانی لوگوں کو تھی که یه ایکٹ خاص واسطے ترغیب عیسائی مذهب قبول کرنے کے جاری هوا هے ۔ کیوں که یه بات ظاهر تھی که غیر مذهب کا کوئی آدمی هندوؤں مین شامل نهین هو سکتا ۔ پس هندو تو اس قانون کے مفاد سے محروم تھے ۔ غیر مذهب کا کوئی آدمی اگر مسلمان هو جائے تو اس کو اپنے مذهب کی رو سے جو اس نے اختیار کیا هے اپنے مورثوں کا متروکه جو غیر مذهب مین تھے لینا منع هے ۔ پس کوئی نو مسلم بھی اس ایکٹ سے فائدہ نهین

اٹھا سکتا تھا ۔ البتہ عیسائی مذہب جس نے قبول کیا ہے وہ فائدہ مند ہو سکتا تھا ۔ اس سبب سے لوگ خیال کرتے تھے کہ علاوہ مداخلت مذہبی کے اس ایکٹ سے صاف ترغیب عیسائیت قبول کرنے کی ہے ۔

ایکٹ ۱۵، ۱۸۵٦ء | ایکٹ ۱۵ ، ۱۸۵٦ء در باب بیوہ ہندو کے رسوم مذہبی میں خلل ڈالتا تھا ۔ گو اس میں بڑی بحثیں ہوئیں اور پیوستے بھی لیے گئے مگر ہندو لوگ جو مذہب سے زیادہ پابند رسم و رواج کے ہیں اس ایکٹ کو نہایت ناپسند کرتے تھے بلکہ باعث اپنی ہتک عزت اور بربادی خاندان کا جانتے تھے اور یوں بدگمانی کرتے تھے کہ یہ ایکٹ اس مراد سے جاری ہوا ہے کہ ہندو کی بیوائیں خود مختار ہو جائیں اور جو چاہیں سو کرنے لگیں ۔

عورتوں کی فعل مختاری ۔ | ضابطہ عورتوں کی فعل مختاری کا جو فوجداری سے عدالتوں میں جاری تھا کسی قدر ہندوستانیوں کی عزت اور آبرو اور رسم و رواج میں نقصان پہنچاتا تھا ۔ منکوحہ عورتیں تک فوجداری سے فعل مختار ہوگئیں ۔ ولیوں کی ولایت عورتوں پر سے اٹھ گئی اور یہ باتیں صریح مذہب میں نقصان پہنچاتی تھیں ۔ دیوانی عدالت پر جو اس کا تدارک حوالہ کیا گیا تھا بلا شبہ نا کافی اور بے فائدہ تھا اور جس بات کا فی الفور تدارک ہونا از روئے مذہب اور رسم و رواج کے چاہیے تھا وہ ایسی تاخیر اور جھمیلے میں ڈالا گیا تھا کہ زیادہ تر فساد اُس سے برپا ہوتا تھا ۔ دیوانی کی ڈگریات بابت دلا پانے زوجہ کے بہت ہی کم تعمیل ہوئی ہوں گی ۔ اکثر مقدمات ایسے نکلیں گے کہ عورت نے غاصب کے گھر دو تین بچے بھی جن لیے اور ہنوز مدعی اُس کی نشان دہی کی تدبیر میں سرگردان ہے ۔

بعض قوانین خلاف مذهب با وصف متحد المذهب ہونے متخاصمین کے۔

چند ایکٹ اور قانون ایسے ہیں کہ جن کی رو سے با وصف متحد المذہب ہوئے متخاصمین کے بر خلاف اُن کے مذہب کے مقدمات دیوانی عدالت سے فیصل ہوتے تھے ۔ ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہماری گورنمنٹ کسی مذہب کی طرف داری کرے ۔ مختلف مذہب ہونے کی صورت میں بلا شبہ انصاف کا لحاظ چاہیے ۔ بشرطیکہ وہ انصاف دونوں مذہبوں کے یا دونوں اہل مقدمہ کے معاہدہ کے بر خلاف نہ ہو ۔ الا جب طرفین متحدالمذہب ہوں تو ضرور ہے کہ اُن ہی کے مذہب یا اُن ہی کے رسم و رواج کے مطابق مقدمات حقوق متعلقہ دیوانی کے فیصل ہوں ۔

ضبطی اراضی لاخراج

قوانین اراضیات لا خراج جس کا آخر قانون ۲ ۱۸۱۹ء ہے حکومت ہندوستان کو نہایت مضر تھا ۔ ضبطی اراضیات نے جس قدر رعایائے ہندوستان کو ناراض اور بد خواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا اس سے زیادہ اور کسی چیز نے نہیں کیا تھا ۔

لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن صاحب کا قول ۔

سچ فرمایا تھا لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن صاحب بہادر نے کہ ضبط کرنا معافیات کا ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور اُن کو محتاج کر ڈینا ہے ۔ میں بیان نہیں کر سکتا کہ ہندوستانیوں کو کس قدر ناراضی اور دلی رنج اور ہماری گورنمنٹ کی بد خواہی اور نیز کتنی مصیبت اور تنگی معاش اس سبب سے اُن کو تھی ۔ بہت سی معافیات صد ہا سال سے چلی آتی تھیں اور ادنیٰ ادنیٰ حیلہ پر ضبط ہو گئیں ۔ ہندوستانی صاف خیال کرتے تھے کہ سرکار نے خود تو ہماری پرورش نہیں کی بلکہ جو جاگیر

ہم کو اور ہمارے بزرگوں کو اگلے بادشاہوں نے دی تھی وہ بھی گورنمنٹ نے چھین لی - پھر ہم کو اور کیا توقع گورنمنٹ سے ہے - ضبطی اراضیات کے باب میں اگر ہماری گورنمنٹ کی طرف سے یہ عذر صحیح اور واقعی بھی سمجھا جائے کہ اگر ضبطی اراضیات لا خراجی نہ ہوتی تو واسطے پورا کرنے اخراجات گورنمنٹ کے جس کو نہایت کفایت شعاری سے مان لینا چاہیے ہندوستانی آدمیوں سے اور کسی محصول کے لینے کی تدبیر کرنی پڑتی مگر رعایا کو اس سے کسی طرح پر تسلی نہیں اور جو مصیبت کہ ان پر پڑی اس کا دفعیہ نہیں ہو سکتا - دیکھو اس زمانے میں جہاں جہاں باغیوں نے اشتہارات واسطے بہکانے اور ورغلانے رعایا کے جاری کیے ہیں سب میں بجز دو باتوں کے یعنی مداخلت مذہبی اور ضبطی معافیات کے اور کسی چیز کا ذکر نہیں ہے - اس سے بخوبی ثابت ہے کہ یہ دونوں باتیں اصل منشاء اور بہت بڑا سبب ناراضی اہل ہند کا تھا - علی الخصوص مسلمانوں کا جن کو یہ نقصان بہت زیادہ بہ نسبت ہندوؤں کے پہنچا تھا -

نیلام زمینداری اگلی عملداریوں میں بلا شبہ حقیت زمینداری کی خانگی بیع اور رہن اور ہبہ کا دستور تھا مگر یہ بہت کم ہوتا تھا اور جہاں جہاں ہوتا تھا بہ رضامندی اور بہ خوشی ہوتا تھا - بعلت باقی یا بعلت قرضہ جبراً اور تحکماً نیلام حقیت کبھی دستور نہیں ہوا - ہندوستان میں زمیندار اپنی موروثی زمینداری کو بہت عزیز سمجھتے ہیں - اس کے زوال سے ان کو کمال رنج ہوتا ہے - اگر یہ خیال کیا جائے تو ہندوستان میں ہر ایک محال زمینداری کا ایک چھوٹی سی سلطنت دکھائی دیتی ہے - قدیم سے سب کی رضامندی سے ایک شخص سردار ہوتا تھا - وہ

ایک بات تجویز کرتا تھا اور ہر ایک حقیقت دار کو بقدر اپنے حصہ زمینداری کے بولنے اور دخل دینے کا اختیار ہوتا تھا ۔ رعیت باشندہ دیہہ کے چودھری بھی حاضر ہو کر کچھ کچھ گفتگو کرتے تھے ۔ اگر کسی مقدمہ نے زیادہ طول پکڑا تو کسی بڑے گاؤں کے مقدم اور سردار کے حکم سے فیصلہ ہو گیا ۔ ہندوستان کے ہر ایک گاؤں میں بہت خاصی صورت ایک چھوٹی سلطنت اور پارلیمنٹ کی موجود تھی ۔ بے شک بادشاہ کو جس قدر اپنی سلطنت کے جانے کا رنج ہوتا تھا اتنا ہی زمیندار کو اپنی زمینداری جانے کا غم تھا ۔ ہماری گورنمنٹ نے اس کا مطلق خیال نہ کیا ابتدائے عملداری سے آج تک شاید کوئی گاؤں باقی ہوگا جس مین تھوڑا بہت نہ انتقال ہوا ہو ۔ ابتدا ابتدا میں ان نیلاموں نے ایسی بے ترتیبی سے کثرت پکڑی کہ تمام ملک آلٹ پلٹ ہو گیا ۔ پھر ہماری گورنمنٹ نے اس کے تدارک کو قانون اول ۱۸۲۱ء جاری کیا اور ایک کمیشن مقرر ہوا ۔ اس سے اور قسم کی صدہا خرابیاں برپا ہوگئیں یہاں تک کہ یہ کام حسب دل خواہ انجام نہ ہو سکا اور آخرکار یہ محکمہ بند ہو گیا ۔

اس مقام پر ہم یہ گفتگو کرنی نہیں چاہتے کہ اگر سرکار وصول مال گزاری کا یہ قاعدہ مقرر نہ کرتی تو پھر کیا کرتی اور جب کہ زمین مال گزاری سرکار میں مستغرق اور اس کی ذمہ دار سمجھی جاتی ہے تو کیوں نہیں نیلام ہوتی ۔ کیونکہ ہم اس مقام پر صرف یہ بات بیان کرتے ہیں کہ سرکشی کے یہ اسباب ہوئے خواہ ان سببوں کا ہونا بہ مجبوری ہوا خواہ ناواقفی سے اور اگر اس امر کی بحث دیکھنی ہو تو ہماری دوسری رائے طریقۂ انتظام ہندوستان ہے اس کو دیکھو ۔ مگر اتنی بات یہاں لکھ دیتے ہیں کہ زمین کا مال گزاری میں مستغرق سمجھنا بہت

قابل مباحثہ کے ہے ۔ در حقیقت دعویٰ سرکار کا پیداوار پر ہے نہ زمین پر ۔

بعوض زر قرضہ نیلام حقیت کے رواج نے بہت سے فساد برپا کیے ۔ مہاجنوں اور روپیہ والوں نے دم دے کر زمینداروں کو روپے دیے اور قصداً اُن کی زمینداری چھیننے کو بہت فریب برپا کئے اور دیوانی میں ہر قسم کے جھوٹے سچے مقدمات لگائے اور قدیم زمینداروں کو بے دخل کیا اور خود مالک بن گئے ۔ ان آفات نے تمام ملک کے زمینداروں کو ہلا ڈالا ۔

سختیٔ بندوبست — بندوبست مال گزاری جو ہماری گورنمنٹ نے کیا نہایت قابل تعریف کے ہے مگر اگلے بندوبستوں کی نسبت سنگین ہے ۔ اگلی عملداریوں میں بطور خام تحصیل مال گزاری لی جاتی تھی ۔ شیر شاہ نے ایک تہائی پیداوار کا حصہ گورنمنٹ مقرر کیا تھا ۔ کچھ شک نہیں کہ اس طریقہ میں بہت مشکلیں تھیں اور گورنمنٹ کو نقصان متصور تھا ۔ مگر کاشت کار سب آباد رہتے تھے اور کسی کو ٹوٹا دینا نہ پڑتا تھا ۔ اکبر اول نے اسی بندوبست کو یعنی پیداوار کا تہائی حصہ لینا پسند کیا اور اسی کو جاری کیا ۔ مگر بندوبست پختہ کر دیا ۔ جس کا ذکر لارڈ الفنسٹن صاحب کی عمدہ تاریخ میں مندرج ہے اور آئین اکبری میں بھی اُس کا بیان ہے ۔ اکبر نے اقسام زمین کے مقرر کیے ۔ اول قسم کی زمین ہے جس کا نام پولج تھا اور ہر سال بوئی جاتی تھی برابر مال‌گزاری کا حصہ لیا جاتا تھا ۔ دوم قسم کی زمین جس کا نام پڑوتی تھا اور ہمیشہ کاشت نہ ہوتی تھی بلکہ چندے واسطے زور بڑھانے کے چھوڑ دیتے تھے ۔ اُس زمین سے اُنھیں سالوں کی بابت مال گزاری لی جاتی تھی جس میں وہ کاشت ہوتی تھی ۔ سوم قسم کی زمین جس کا نام چچر تھا اور تین چار برس سے

بے تردد تھی اور اس کی درستی کے لیے خرچ بھی درکار ہوتا تھا۔ اول سالی زراعت میں پچدو لیا جاتا تھا اور پھر بڑھتا جاتا تھا یہاں تک کہ پانچویں میں پورا ہوتا تھا۔ چہار قسم کی زمین جس کا نام بنجر تھا اور پانچ برس سے زیادہ بے تردد پڑی تھی اور بھی ملائم شرطیں تھیں۔ اس خام بندوبست کا نقدی سے بدلنا اس طرح پر تھا کہ پیداوار ہر بیگھ کی اور ہر قسم زمین کی اوسط کے حساب سے غلہ کے وزن پر نکالی جاتی تھی۔ مثلاً بیگھہ پیچھے نو من غلہ کی پیداوار نکالی اور تین من غلہ اُس بیگھہ کا کاشت کار سے لینا حصہ گورنمنٹ ٹھہر گیا۔ پھر اوسط نرخ ناموں سے قیمت غلہ قرار دی گئی اور وہ نقدی اس بیگھہ کی ٹھہر گئی۔ پھر اس میں بڑی رفاہ یہ تھی کہ اگر کاشت کار بعوض نقدی گرانئی نرخ سمجھ کر تین من غلہ دے دے تو اُس کو اختیار تھا۔ سرکاری بندوبست میں ان میں سے بہت باتوں کا خیال نہیں رہا - افتادہ زمین پر برابر محصول لگ گیا۔ ہر سال برابر جوتے جانے سے زور کم ہوتا گیا۔ پیداوار کم ہونے لگی۔ جو حساب بندوبست کے وقت لگایا تھا وہ نہ رہا۔ اکثر اضلاع میں ہر ایک بندوبست سخت ہو گیا۔ زمینداروں کاشت کاروں کو نقصان عائد ہوئے۔ رفتہ رفتہ وہ بے سامان ہو گئے۔ زراعت کا سامان بہت کم ہو گیا اور اس سبب سے جو زمین کاشت کرتے تھے وہ جیسا کہ چاہیے کمائی نہ گئی۔ اس سبب سے بھی کمی پیداوار ہوئی۔ ادائے مال گزاری کے لیے وہ قرض دار ہوتے۔ سود قرضہ زیادہ ہونے لگا۔ بہت سے زمیندار مال گزار جو بہت اچھا سامان اور معقول خرچ رکھتے تھے مفلس ہوگئے۔ جن دیہات میں افتادہ زمین سوا تھی وہ اور زیادہ خراب ہو گئی۔ آنریبل تامسن صاحب بہادر اپنے ہدایت نامہ کی دفعہ ٦٣ میں لکھتے ہیں کہ آئین نہم

۱۸۳۳ء کے بندوبست میں علی العموم یہ بات نظر آتی ہے کہ اچھے دیہات کی جمع کچھ نرم تجویز ہوئی اور خراب دیہات کی جمع سنگین ہوگئی۔ زمینداروں کی ناجائز منفعتیں جاتی رہیں۔ اگرچہ یہ بات بہت اچھی تھی مگر بندوبست کے وقت اس کی رعایت چاہیے تھی جو نہ ہوئی غرض کہ ان اسباب سے زمینداروں اور کاشت کاروں کو مفلسی نے گھیر لیا تھا۔ جس کے سبب باوجود امن و آسائش کے جو زمینداروں کو تھی اُن کے دل سے پچھلی عملداریوں کی یاد بھولتی نہ تھی۔

تعلقداریوں کی شکست علی الخصوص اودھ میں

تعلقہ داری بندوبست کا شکست کر دینا اگرچہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس میں کچھ نا انصافی ہوئی مگر عمدہ سبب فساد کا ہوا۔ خصوصاً ملک اودھ میں یہ تعلقہ دار راجہ بنے ہوئے تھے۔ اپنی تعلقہ داری کے دیہات میں حکومتیں کرتے تھے۔ نفع اٹھاتے تھے۔ وہ بادشاہت اور منفعت ان کی دفعۃً جاتی رہی۔ اس باب میں بھی کہ اگر سرکار یہ نہ کرتی تو اصل زمینداروں کو ان ظالموں کے ہاتھ سے کیونکر نکالتی ہم اس مقام پر بحث نہیں کریں گے بلکہ اس کی بحث ہماری دوسری رائے میں ہے۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا ہے کہ شکست تعلقداری بھی سبب سرکشی ہے۔

اسٹامپ

اسٹامپ کا جاری ہونا بالکل ایک ولایتی پیداوار ملک کا قاعدہ ہے جہاں کی آمدنی گویا کہ نہیں لی جاتی۔ ہندوستان میں اس کا جاری کرنا اور پھر رفتہ رفتہ اس کی قیمت میں اضافہ ہوتا جانا جس کی انتہا اب قانون دہم ۱۸۲۹ء میں ہے بلا شبہ خلاف طبائع اہل ہند بلکہ بہ نظر حالات مفلسی اہل ہند نا مناسب تھا۔ اسٹامپ کے جاری ہونے میں پچھلے لوگ بہت بحث

کر گئے ہیں اور بہت سی دلیلیں پیش ہوئی ہیں کہ اس کا اجراء مفید ہے اور بہت غالب تر دلیلیں پیش ہوئی ہیں کہ اصلی بات برخلاف اس کے ہے مگر ہم اس مقام پر آن سب بحثوں سے قطع نظر کرتے ہیں اور اتنا لکھنا کافی سمجھتے ہیں کہ آن بحثوں کی حاجت آن ملکوں میں ہے جہاں کی رعایا تربیت یافتہ اور متمول اور راست باز معاملہ فہم ہے - ہندوستان کی رعایا جو دن بدن مفلس ہوتی جاتی ہے وہ ہرگز یہ زیر باری اٹھانے کے لائق نہیں - سب عقلا اس محصول کو ناپسند کر گئے ہیں - آن کا قول ہے کہ دستاویزات پر محصول لگانا جتنا قابل الزام اور بے وجہ محض ہے اس سے زیادہ برا وہ محصول ہے جو کاغذات پر انصاف کرنے کے لیے لیا جاتا ہے - علاوہ زیر باری اخراجات کے بہت سی صورتوں میں عدالت گستری سے باز رکھتا ہے چناں چہ مل صاحب کی کتاب پولٹکل اکونمی اور لارڈ بروم صاحب کی پولٹکل فلوزوفی اس کے ناپسندیدہ ہونے سے پر ہیں اور جس قدر کہ ولایت میں آس پر عذر ہے آس سے بہت زیادہ ہندوستان میں اس کے رواج پر الزام ہے -

دیوانی عدالت کا انتظام پنجاب سے اچھا ہے مگر اصلاح طلب ہے -

دیوانی عدالت کا انتظام جو پریذیڈنسی بنگال اور آگرہ میں ہے وہ نہایت شائستہ ہے - آس کو اس غدر میں کچھ مداخلت نہیں - میں جانتا ہوں کہ اکثر حکام کی رائے اس کے بر خلاف ہوگی اور پنجاب کے انتظام کو پسند کرتے ہوں گے - مگر یہ گفتگو نہایت قابل بحث کے ہے - قانون پنجاب کا ایک مجمل مطلب ہے - آن ہی قوانین کا جو اس ملک میں جاری ہیں آن کے بسط اور پھیلاؤ اور عمل کے واسطے قواعد مقرر نہیں ہیں - ہر حاکم اس میں خود مختار ہے - سب حاکموں کی

رائے سلیم ہونی ضرور نہیں ہے ، پھر اس میں کس قدر خرابیاں انجام کو پڑنی متصور ہیں - دیوانی کا محکمہ سب محکموں سے زیادہ تر عمدہ ہے جس پر نہایت اہتمام چاہیے - یہی محکمہ ہے جس پر آبادئی ملک اور اجرائے تجارت اور افزونئی بنج بیوپار و استحکام حقوق منحصر ہیں - پنجاب میں یہ محکمہ نہایت کم قدر ہو رہا ہے - حکام مطلق متوجہ نہیں ، بلکہ ہم کہتے ہیں متوجہ ہونے کی فرصت نہیں - جس قدر مقدمات غور طلب بہ سبب انتقالات اور معاملات کثیر اور بہ سبب زیادہ مدت ہو جانے عمل داری سرکار کے اس ملک میں ان ملکوں کی عدالتوں میں در پیش ہوتے ہیں وہ ابھی تک پنجاب میں نہیں ، اور جب ہوں گے تو اس میں شک نہیں کہ قوانین پنجاب اُن کی درستی سے فیصلہ کرنے کو کافی نہیں - اس غدر میں دیوانی عدالت کا جس قدر اثر پایا جاتا ہے وہ صرف اتنا ہے - اول انتقالات حقیت - دوم مقروض ہونا یا مدیون ہونا لوگوں کا کہ یہ دونوں باتیں آپس کے فساد کی باعث ہوئیں نہ مقابلہ سرکار کی ، ان باتوں سے آپس میں دلی رنج تھا ، اور یہ قاعدہ ہے کہ جب عمل داری کو مستی ہوتی ہے آپس کے تنازع سے فسادات برپا ہوتے ہیں - پھر ان دونوں باتوں میں جو لوگوں کو آپس میں رنج تھا ، سب سے بڑا سبب اُس کا یہ تھا کہ انتقالات ناواجبی اور قرضہ ناجائز لوگوں کے سر پر ہو گیا تھا - وہ جھوٹی ڈگریوں کے مدیون ہو گئے تھے ، اور اسی سبب سے دیوانی عدالت پر الزام لگایا جاتا ہے - خیال کرنا چاہیے ، کہ جس قدر کم توجہی اور ابتری اور سرسری تحقیقات اور خود اختیاری حکام مجوز مقدمات دیوانی کی پنجاب میں ہے ، وہ بہت اس سے زیادہ خرابیاں پیدا کرے گی - دیوانی عدالت کی تاثیر دس برس میں ظاہر نہیں ہوتی ، پچاس برس

بعد پنجاب کو ممالک مغربی شمالی کے انتظام اور تاثیر عدالت دیوانی سے مقابلہ کرنا چاہیے ، نہ اب ۔ ہم اس بات کو منظور کرتے ہیں کہ پریسیڈنسی بنگال اور آگرہ کا قانون متعلق مقدمات دیوانی قابل اصلاح ہے ۔ انفصال مقدمات میں بہت تاخیر ہوتی ہے ، اسٹامپ کے بیش قیمت ہونے سے اپیل کے ہر مقدمہ میں بہت سے درجات قائم ہونے سے لوگوں کو زیر باری ہے ۔ حکام دیوانی کو بعض قسم کا اختیار نہ دینے سے انفصال مقدمات میں ہرج تھا ۔ سو اس کو ایکٹ ۱۶ ، ۱۸۵۳ء نے کچھ کچھ رفع کیا اور جس قدر باقی ہے ، وہ قابل اصلاح ہے ۔ اس میں اگر زیادہ گفتگو دیکھنی منظور ہو تو ہماری دوسری رائے کو جو در باب انتظام ہندوستان ہے اس کو ملاحظہ کرو ۔

اصل سوم

نا واقف رہنا گورنمنٹ کا رعایا کے اصلی حالات اور اطوار اور عادات اور ان مصائب سے جو اُن پر گزرتے تھے ، اور جن سے رعایا کا دل ہماری گورنمنٹ سے پھٹتا جاتا تھا ۔

سوم ۔ ناواقفیت گورنمنٹ حال رعایا سے ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری گورنمنٹ کو رعایا کے حالات اور اطور اور جو جو دکھ اُن کو تھے ، اُن کی اطلاع نہ تھی اور اطلاع ہونے کا کیا سبب تھا ؟ کیوں کہ حالات اور اطوار کی اطلاع اختلاط اور ارتباط اور باہم آمد و رفت بے تکلفانہ سے ہوتی ہے ، اور یہ بات جب ہوتی ہے ، کہ ایک قوم دوسری قوم میں مل جل کر اور محبت و اخلاص پیدا کرکے بطور ہم وطنوں کے توطّن اختیار کر لے ۔ جیسا کہ مسلمان غیر مذہب اور غیر ملک کے رہنے والوں نے ہندوستان میں توطّن اختیار کر کے پیدا کیا

اور غیر ملکیوں سے برادرانہ راہ و رسم پیدا کی ، مگر درحقیقت ہماری گورنمنٹ کو یہ بات جو اصلی سبب رعایا کے حالات کی اطلاع کا ہے ، حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ اس طرح کی سکونت مختلطانہ ہماری گورنمنٹ کو ہونی متخیل ہے ۔ اب رہی یہ بات کہ رعایا خود اپنے مصائب کی اطلاع کرتی تو اُس کا قابو رعایا کو نہ تھا کیوں کہ رعایائے ہندوستان کو تجاویز گورنمنٹ میں ذرا بھی مداخلت نہ تھی اور اگر کسی نے کچھ بے قاعدہ کوئی عرضی پرچہ بھیجا یا بحضور نواب گورنر جنرل بہادر پیش کیا وہ بہ طور استغاثہ تصور کیا گیا نہ بہ طور استحقاق مداخلت تجاویز گورنمنٹ میں اور اسی لیے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا ۔

حکام اضلاع حالات رعایا سے مطلق واقف نہ تھے۔

اب ضرور ہوا کہ کوئی شخص حالات رعایا کی اطلاع گورنمنٹ میں کرے ، وہ اطلاع منحصر تھی حکام متعہد اضلاع کی رپورٹ پر ۔ وہ خود اس سے واقف تھے ، اور کوئی راہ نہ تھی ان کو اطلاع حاصل ہونے کو ، اور ان کی عدم توجہی اس باب میں اور ان کی نازک مزاجی ایک مشہور بات ہے ۔ اُن کے رعب سے سب ڈرتے تھے ، کسی کو سچی بات علی‌الخصوص وہ کہ مخالف طبع اور مزاج حاکموں کے ہوتی تھی ، کہنے کا مقدور نہ تھا ، ہر شخص ملازم اور درباری رئیس سب ڈر کے مارے خوشامد کی بات کہتے تھے ، اور ہماری گورنمنٹ نوعیہ نے ان باتوں سے گورنمنٹ شخصیہ کی صورت پیدا کی تھی ۔ پھر یہ طریقہ اطلاع حالات رعایا کا بذریعہ حکام اضلاع نا کافی ہی نہ تھا بلکہ درحقیقت معدوم تھا ۔ اس لیے حالات رعایا کے ہمیشہ ہماری گورنمنٹ سے مخفی رہے ، جو نیا قانون گورنمنٹ سے جاری ہوا اس سے جو مضرت رعایا کے حال اور رفاہ اور فلاح کو پہنچی ، اُس کا رفع کرنے والا

اور اُس کی خبر دینے والا کوئی نہ تھا ۔ اس قسم کے امور میں کوئی غم خوار رعایا کا نہ تھا ۔ بجز اُن کے لہو کے جو جل جل کر ان کے بدن میں رہتا تھا اور بجز اُن کی بے کسی کے جس پر وہ آپ رو کر چپ رہتے تھے ۔

مفلسی ہندوستان علی الخصوص مسلمانوں کی نوکریاں بہت قلیل تھیں ۔ روزگار پیشہ جو قاطبۃً مسلمان تھے بہت تنگ تھے

مفلسی اور تنگئی معاش ہندوستان کی رعایا کو ہماری گورنمنٹ کی حکومت میں کیوں نہ ہوتی ۔ سب سے بڑی معاش رعایائے ہندوستان کی نوکری تھی اور یہ ایک پیشہ گنا جاتا تھا ۔ اگرچہ ہر ایک قوم کے لوگ روزگار نہ ہونے کے شاکی تھے مگر یہ شکایت سب سے زیادہ مسلمانوں کو تھی ۔ غور کرنا چاہیے کہ ہندو جو اصلی باشندے اس ملک کے ہیں زمانۂ سلف میں اُن میں سے کوئی شخص روزگار پیشہ نہ تھا ، بلکہ سب لوگ ملکی کاروبار میں مصروف تھے ۔ برھمن کو روزگار سے کچھ علاقہ نہ تھا ۔ بیش برن جو کہلاتے ہیں وہ ہمیشہ بیوپار اور مہاجنی میں مصروف تھے ۔ چھتری جو اس ملک کے کسی زمانے میں حاکم بھی تھے پرانی تاریخوں سے ثابت ہے کہ وہ بھی روزگار پیشہ نہ تھے بلکہ زمین سے اور ایک ایک ٹکڑہ زمین کی حکومت سے بہ طور بھیا چارہ علاقہ رکھتے تھے ۔ سپاہ ان کی ملازم نہ تھی بلکہ بہ طور بھائی بندی کے وقت پر جمع ہو کر لشکر آراستہ ہوتا تھا جیسا کہ کچھ تھوڑا سا نمونہ روس کی مملکت میں پایا جاتا ہے ۔ البتہ قوم کائستھ اس ملک میں قدیم سے روزگار پیشہ دکھلائی دیتے ہیں ۔ مسلمان اس ملک کے رہنے والے نہیں ہیں ۔ اگلے بادشاہوں کے ساتھ بہ وسیلہ روزگار کے ہندوستان میں آئے اور یہاں توطّن اختیار کیا اس لیے سب کے سب روزگار پیشہ تھے اور

کمئی روزگار سے ان کو زیادہ تر شکایت بہ نسبت اصلی باشندوں اس ملک کے تھی - عزت دار سپاہ کا روزگار جو یہاں کی جاہل رعایا کے مزاج سے زیادہ تر مناسبت رکھتا ہے ہماری گورنمنٹ میں بہت کم تھا - سرکاری فوج جو غالباً مرکب تھی تلنگوں سے اس میں اشراف لوگ نوکری کرنی معیوب سمجھتے تھے - سواروں میں البتہ اشرافوں کی نوکری باقی تھی مگر وہ تعداد میں اس قدر قلیل تھی ، کہ اگلی سپاہ سوار سے اس کو کچھ بھی نسبت نہ تھی - علاوہ سرکاری نوکری کے اگلے عہد کے صوبہ داروں اور سرداروں اور امیروں کے نیچ کے نوکر ہوتے تھے ، کہ ان کی تعداد بھی کچھ کم خیال کرنی نہیں چاہیے - اب یہ بات ہماری گورنمنٹ میں نہیں ہے ، اس سبب سے حد سے زیادہ قلت روزگار تھی -

اسی مفلسی کے سبب لوگوں کا ایک آنہ اور ڈیڑھ آنہ یومیہ یا سیر بھر اناج پر باغیوں کی نوکری اختیار کرنا -

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب باغیوں نے لوگوں کو نوکر رکھنا چاہا ہزار ہا آدمی نوکری کو جمع ہو گئے اور جیسے بھوکا آدمی قحط کے دنوں میں اناج پر گرتا ہے اسی طرح یہ لوگ نوکریوں پر جا گرے سه

ملحد گرسنه در خانۂ خالی بر خوان
عقل باور نه کند کز رمضان اندیشد

بہت سے آدمی صرف آنہ ڈیڑھ آنہ یومیہ پر نوکر ہوئے تھے اور بہت سے آدمی بعوض یومیہ کے سیر ڈیڑھ سیر اناج پاتے تھے - اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستان کی رعایا جیسی نوکری کی خواہش مند تھی ویسی ہی مفلسی اور ناداری سے محتاج اور تنگ تھی -

خیراتی پنشن اور انعام بند ہونے سے ہندوستان کا زیادہ محتاج ہونا ۔

ایک اور راہ تھی اگلی عمل داریوں میں آسودگی رعایا کی یعنی جاگیر روزینہ انعام اکرام ۔ جب شاہ جہان تخت پر بیٹھا تو صرف بروز تخت نشینی چار لاکھ بیگہ زمین اور ایک سو بیس گاؤں جاگیر میں اور لاکھوں روپیہ انعام میں دیے ۔ یہ بات ہماری گورنمنٹ میں یک قلم مسدود تھی بلکہ پہلی جاگیریں بھی ضبط ہو گئی تھیں جس ضبطی کے سبب ہزار ہا آدمی نان شبینہ کو محتاج ہو گئے تھے ۔ زمین داروں ، کاشت کاروں کی مفلسی کا حال بیان کر چکے ۔ اہل حرفہ کا روزگار بہ سبب جاری ہونے اور رائج ہونے اشیائے تجارت ولایت کے بالکل جاتا رہا تھا یہاں تک کہ ہندوستان میں کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو بھی نہیں پوچھتا تھا ۔ جولاہوں کا تار تو بالکل ٹوٹ گیا تھا جو بد ذات سب سے زیادہ اس ہنگامہ میں گرم جوش تھے ۔ خدا کے فضل سے جب کہ ہندوستان بھی سلطنت گریٹ برٹن میں داخل تھا تو سرکار کو رعایا کی اس تنگئی حال پر توجہ کرنی اور ان کے ان روحانی غم اور دلی رنجشوں کے مٹانے میں سعی کرنی ضرور تھی ۔

کمپنی نوٹ سے ملک کی زیر باری

کمپنی نوٹ سے ایک نئی طرح کی زیر باری ملک کو ہوئی تھی جو کسی پہلی عمل داری میں اُس کی نظیر نہیں ہے ۔ جتنا روپیہ قرض لیا جاتا تھا اُس کے سود کے وصول کرنے کی تدبیر بلکہ سود اور اخراجات اور انتفاع کے وصول کرنے کی تدبیر ملک سے ہوتی تھی ۔

صرف مفلسی کے سبب سے رعایا کا تبدل عمل داری چاہنا :

غرض کہ ہر طرح سے ملک مفلس اور تاج ہو گیا ۔ اگلے خاندان جن کو ہزاروں کا مقدور تھا معاش سے بھی تنگ تھے اور یہ ایک اصلی سبب ناراضی رعایا کا گورنمنٹ سے

تھا ۔ لوگوں کے دل جو تبدل عمل داری کو چاھتے تھے اور نئی عمل داری کے راغب اور دل سے اس سے خوش تھے میں سچ کہتا ھوں کہ اسی سبب سے تھے ۔ ھم سچ کہتے ھیں اور پھر ھم سچ کہتے ھیں کہ ھم بہت سچ کہتے ھیں کہ جب افغانستان سرکار نے فتح کیا لوگوں کو بڑا غم ھوا ۔ کیا سبب تھا ، صرف یہ تھا کہ اب مذہب پر علانیہ دست اندازی ھوگی ۔ جب گوالیار فتح ھوا ، پنجاب فتح ھوا ، اودھ لیا گیا ، لوگوں کو کمال رنج ھوا کیوں ھوا؟ اس لیے ھوا کہ ان کے پاس کی ھندوستانی عمل داریوں سے ھندوستانیوں کو بہت آسودگی تھی ۔ نوکریاں اکثر ھاتھ آتی تھیں ۔ ھر قسم کی ھندوستانی اشیاء کی تجارت بہ کثرت تھی ۔ ان عمل داریوں کے خراب ھونے سے زیادہ افلاس اور محتاجی ھوتی جاتی تھی ۔

ھماری گورنمنٹ کی عمل داری میں خوبیاں اور بھلائیاں بھی حد سے زیادہ تھیں ، میں سب پر عیب نہیں لگاتا بقول شخصے ؎

عیب ھا جملہ بہ گفتی ھنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

امن اور آسائش اور آزادی ، رستوں کا صاف ھونا ، ڈاکوؤں اور رھزنوں کا نیست و نابود ھونا ، سڑکوں کا آراستہ ھونا ، مسافروں کی آسائش ، بیوپاریوں کا مال دور دور بھیجنا ، غریب ، اعلیٰ ، ادنیٰ کے خطوط کا دور دست ملکوں میں برابر پہنچنا ، خون ریزی اور خانہ جنگی کا بند ھونا ، زبردست سے زبردست کا زور اٹھنا اور اسی قسم کی بہت سی باتیں ایسی اچھی ھیں کہ کسی عمل داری میں نہ ھوئی ھیں نہ ھوں گی ۔ مگر غور کرو کہ ان باتوں سے وہ مصیبت جس کا ھم ذکر کرتے ھیں نہیں جاتی ۔ ایک اور بات دیکھو کہ یہ نفع عمل داری کا جو مذکور

ہوا کن لوگوں کو زیادہ تھا - اول عورتوں کو کہ سب طرح سے آسائش میں تھیں - خانہ جنگی میں اولاد کا مارا جانا ، ٹھگوں کے ہاتھ سے لٹنا ، عاملوں کے ہاتھ سے خاوندوں اور بچوں کا محفوظ نہ رہنا اور ہزار طرح کے مصائب سے محفوظ تھیں - پھر دیکھ لو کہ کس قدر خیر خواہ اور مداح سرکار کی عمل داری کی تھیں - مہاجن اور تجارت پیشہ لوگ بہت آسائش سے تھے - پھر ان میں سے کوئی بھی بد خواہ نہ تھا - حاصل یہ کہ جن لوگوں کو عمل داری سرکار سے نقصان نہیں پہنچا تھا اُن میں سے کوئی بد خواہ نہیں ہوا -

اصل چہارم

چہارم - نہ کرنا ان باتوں کا جن کا کرنا گورنمنٹ پر واجب تھا -

ترک ہونا اُن امور کا ہماری گورنمنٹ کی طرف سے جن کا بجا لانا ہماری گورنمنٹ پر ہندوستان کی حکومت کے لیے واجب اور لازم تھا -

محبت اور اتحاد ہندوستانیوں سے نہ کرنا -

جو مراتب کہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں گو وہ ہمارے بعض حکام کے ناگوار طبع ہوں مگر ہم کو سچ لکھنا اور دل کھول کر کہنا ضرور ہے یہ وہ بات ہم کہتے ہیں کہ جس سے جنگلی وحشی دام میں آتے ہیں - درندے رام ہوتے ہیں ، انسان کی تو کیا حقیقت ہے - کیا لارڈ ہیکنز ایسسیز کافی نہیں کہ ہم اس مقام پر دوستی اور محبت اور ربط اور اتحاد کے فائدے بیان کریں - ہاں اتنی بات بیان کرنی ضرور ہے کہ آپس کی محبت اور ہمسایہ کی دوستی سے گورنمنٹ اور رعایا کی محبت بہت بڑھ کر ہے - دوست کو ایک شخص سے دوستی کرنی پڑتی ہے اور گورنمنٹ کو تمام رعایا سے ایسا ارتباط پیدا کرنا پڑتا ہے کہ

رعیت اور گورنمنٹ سب مل کر ایک تن ہو جائیں ۔ ؎

رعیت چو بیخ ست سلطاں درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

کیا یہ بات ہندوستان میں ہماری گورنمنٹ سے نہیں ہو سکتی تھی ، کیوں نہ ہو سکتی تھی ۔ اس لیے کہ ہم کو دن رات تجربہ ہوتا ہے کہ دو غیر ملک اور مختلف مذہب کے آدمیوں میں اتحاد ہوتا ہے اُس صورت میں کہ وہ اتحاد کرنا چاہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ دو ہم قوم اور ہم مذہب اور ہم وطن آدمیوں میں کمال دشمنی اور عداوت ہوتی ہے ۔ اس سے ثابت ہے کہ محبت اور اتحاد اور دوستی ہونے کو اتحاد مذہب اور ہم وطن اور ہم قوم ہونا ضرور نہیں ۔ کیا پال مقدس کی یہ نصیحت[1] حکمت آمیز نہیں ہے کہ جیسے ہم تم سے محبت کرتے ہیں ویسا ہی خداوند تمہاری محبت آپس میں دوسروں کے ساتھ بڑھنے اور زیادہ ہونے دیوے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ صرف اپنے پڑوسیوں اور ہم قوموں سے بلکہ سب سے یہاں تک کہ دشمنوں سے سچی محبت ہو اور وہ محبت اور مہربانی بڑھتی جائے اور کیا مسیح مقدس کا یہ قول دل کو تسلی دینے والا نہیں ہے کہ جو کچھ تم چاہتے ہو کہ لوگ تمہارے ساتھ کریں ویسا ہی تم بھی اُن سے کرو ۔ کیوں کہ توریت اور نبیوں کی کتاب کا خلاصہ یہی ہے[2] ۔ مراد مسیح مقدس کی اس نصیحت سے محبت ہے ۔ غرض کہ کوئی عقل مند اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ محبت اور اتحاد بہت عمدہ چیز ہے اور بہت اچھے اچھے نتیجے دیتی ہے اور

۱۔ پال کا خط باب ۳ درس ۱۲ ۔
۲۔ متی باب ۷ درس ۱۲ ۔

بہت سی برائیوں کو روکتی ہے - آج تک ہماری گورنمنٹ نے یہ محبت ہندوستان کی رعایا کے ساتھ پیدا نہیں کی -

یہ بھی ایک عام قاعدہ محبت کا جبلت انسانی بلکہ حیوانی میں بھی قدرتی پیدا کیا گیا ہے کہ اعلیٰ کی طرف سے ادنیٰ کی طرف محبت چلتی ہے - باپ کی محبت اپنے بیٹے کی طرف پہلے اُس سے شروع ہوتی ہے کہ بیٹے کو باپ سے - اسی طرح مرد کی محبت اپنی عورت کی طرف عورت کی محبت سے جو مرد کی طرف ہے مقدم ہے - اسی بنا پر یہ بات ہے کہ ادنیٰ جو اعلیٰ سے محبت شروع کرے وہ خوشامد گنی جاتی ہے نہ محبت - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری گورنمنٹ کو اول چاہیے تھا کہ رعایا کے ساتھ محبت اور اتحاد کرنے میں تقدم کرتی - پھر محبت کا یہ قاعدہ جو ہزار ہا تجربہ سے حاصل ہوا ہے کہ خواہ مخواہ محبت دوسرے کے دل میں اثر کرتی ہے اور اپنی طرف کھینچ لاتی ہے رعایا کے دل میں اثر کرتی اور رعایا اُس سے زیادہ ہماری گورنمنٹ کی محبت کرتی بلکہ فریفتہ ہو جاتی - ؎

عشق آن خانماں خرابے ہست
کہ ترا آورد بخانۂ ما

مگر افسوس کہ ہماری گورنمنٹ نے ایسا نہیں کیا -

اگر ہماری گورنمنٹ دعویٰ کرے کہ یہ بات غلط ہے - ہم نے ایسا نہیں کیا بلکہ محبت کی اور نیکی کا بدلا بدی پائی تو اس کا انصاف ہم خود گورنمنٹ کے سپرد کریں گے - اگر یہ بات یوں ہی ہوتی تو رعایا کو بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کی محبت سے زیادہ محبت ہوتی - بے شک محبت ایک دل کی چیز ہے جو کہنے سے اور بنانے سے نہیں بنتی - ظاہر میں بھی اگرچہ اس کے آثار پائے جاتے ہیں - اِلاّ سچ یہ ہے ، کہ نہ وہ بیان ہو سکتی ہے اور نہ

نشان دی جا سکتی ہے ، مگر دل اس کو خوب جانتا ہے بلکہ اس کے ہاتھ میں ایک ایسی سچی ترازو ہے کہ وہ کمی بیشی کو بھی پہچانتا ہے ۔ ؎

دل راز دل رہیست دریں گنبد سپہر
از سوئے کینہ کینہ و از سوئے مہر مہر

ہماری گورنمنٹ نے اپنے آپ کو آج تک ہندوستانیوں سے ایسا الگ اور ان میل رکھا ہے جیسے آگ اور سوکھی گھاس ۔ ہماری گورنمنٹ اور ہندوستانی پتھر کے دو ٹکڑے ہیں سفید اور کالے کہ الگ الگ پہچانے جاتے ہیں اور پھر ان دونوں میں ایک فاصلہ ہے کہ دن بدن زیادہ ہوتا جاتا ہے ۔ حالاں کہ ہماری گورنمنٹ کو ہندوستان کی رعایا کے ساتھ ایسا ہونا چاہیے جیسے ابری کا پتھر کہ باوجود دو رنگ کے ایک ہوتا ہے ۔ سفید رنگ میں سیاہ خال بہت خوب صورت معلوم ہوتے ہیں اور سیاہی سفیدی عجب بہار دکھلاتی ہے ۔

ہم نا انصافی کی بات نہیں کہتے ۔ ہماری گورنمنٹ کو بلاشبہ عیسائیوں کے ساتھ ایک خاص محبت دینداری کی رکھنی چاہیے مگر ہم اپنی گورنمنٹ سے رعایائے ہندوستان پر وہ برادرانہ محبت اور برادرانہ محبت پر وہ الفت چاہتے ہیں جس کی نصیحت پطرس[1] مقدس نے کی ہے ۔ اب غور کرو کہ ہمارے حکام اور ہندوستانیوں کا خون ایک نہ تھا ۔ مذہب ایک نہ تھا ۔ رسم و رواج ایک نہ تھا ۔ دلی رضا مندی رعایا کو نہ تھی ۔ آپس میں محبت اور اتحاد نہ تھا ۔ پھر کس بات پر ہمارے حکام ہندوستان سے وفاداری کی توقع رکھتے تھے ۔

۱۔ پطرس خط ۲ باب ۱ درس ۷ ۔

پچھلی عمل داریوں میں جب تک هندوستانیوں سے محبت نہ هوئی آسائش نہ هوئی -

هندوستانیوں کی پچھلی سلطنتوں کا حال دیکھو ، اول هندوستان پر مسلمانوں نے فتح پائی - ترکوں اور پٹھانوں کی سلطنت میں هندوستان کی رعایا سے محبت اور میل جول نہ هوا ، جب تک آسائش اور آسودگی سلطنت نے صورت نہ پکڑی - مغلیہ کی سلطنت میں اکبر اول کے عہد سے ملاپ بخوبی شروع هوا ، اور شاہ جہان کے وقت تک بدستور رھا - باوجودیکہ اُس زمانے میں بھی رعایا کو بے نظمیٔ اصول سلطنت کے سبب تکلیفیں پہنچتی تھیں مگر وہ زخم مندمل هو جاتا تھا - اُس برادرانہ محبت سے جو آپس میں تھی ، ۱۷۷۹ء میں یعنی عالمگیر کے عہد میں یہ محبت ٹوٹ گئی اور بہ سبب مقابلہ اور سرکشی قوم هندو کے مثل سیوا جی مرھٹہ وغیرہ کے عالمگیر جملہ قوم هندو سے ناراض هوا اور اپنے صوبہ داروں کے نام حکم بھیجے کہ جملہ قوم هندو کے ساتھ بہ سخت گیری پیش آئے ، اور هر ایک سے جزیہ لے - پھر جو مضرت اور ناراضی رعایا کو هوئی وہ ظاهر ھے - غرض کہ هماری گورنمنٹ نے سو برس کی عمل داری میں بھی رعایا سے محبت اور اُلفت پیدا نہ کی -

هندوستانیوں کی بے توقیری -

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ رعایا کو با عزت رکھنا اور ان کی تالیف قلوب کرنی یعنی اُن کے دونوں پہلوؤں کو هاتھ میں رکھنا بہت بڑا سبب ھے ؟ پائے داریٔ گورنمنٹ کا - تھوڑا ملے اور آدمی کی عزت هو تو وہ بہت زیادہ خوش هوتا ھے بہ نسبت اس کے کہ بہت ملے اور تھوڑی عزت هو ، بے عزتی کرنی کسی کی ایسی بد چیز ھے کہ آدمی کے دل کو دکھاتی ھے - یہی چیز ھے کہ بغیر ظاهری نقصان پہنچائے عداوت کرتی ھے اور اس کا ایسا گہرا زخم

ہوتا ہے کہ کبھی نہیں بھرتا ۔ ؎

جراحات السنان لہا التیام
ولا یلتئام ما جرح اللسان

تالیف کی خاصیت اس کے برخلاف ہے ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس سے دشمن دوست ہوتا ہے ، اور دوستوں کی محبت زیادہ ہوتی ہے ۔ بے گانہ یگانہ ہوتا ہے ، یہی چیز ہے کہ جس سے وحشی جنگل کے جانور چرید پرند تابع دار ہوتے ہیں ۔ پھر اگر رعایا کے ساتھ ہو، تو وہ کس قدر مطیع اور فرماں بردار ہوں گے ۔ ابتدائے عمل داری میں یہ چیز تھی کہ جس نے سب کے دلوں کو ہماری گورنمنٹ کی طرف کھینچ لیا تھا ایک دلی اطاعت پیدا کر دی تھی ۔ بے شک ہماری گورنمنٹ ان باتوں کو بھول گئی ۔ بلا شبہ تمام رعایا ہندوستان کی اس بات کی شاکی ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ان کو نہایت بے قدر اور بے وقر کر دیا ہے ۔ ہندوستان کے اشراف آدمی کی ایک چھوٹے سے یورپین کے سامنے ایسی بھی قدر نہیں ہے جیسی کہ ایک چھوٹے یورپین کی ایک بہت بڑے ڈیوک کے سامنے ۔ یوں تصور کیا جاتا تھا کہ ہندوستان میں کوئی جنٹلمین نہیں ہے ۔

حکام اضلاع کی سخت مزاجی اور بد زبانی ۔

یہ سب باتیں یعنی محبت اور اُلفت اور عزت اور تالیف رعایا کی گورنمنٹ کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں بہ وسیلہ اُن حکام متعہد کے جو ہماری گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان کی کارپردازی اور رعایا سے معاملہ اور میل جول اور ملاقات رکھتے ہیں ۔ گورنمنٹ کا ارادہ کیسا ہی نیک ہو وہ کبھی ظاہر نہ ہوگا جب تک یہ لوگ اُس کے ظاہر کرنے پر کمر نہ باندھیں ۔ اگلے حکام متعہد کے عادات اور روش اور اخلاق بہت برخلاف

تھے - حال کے حکام متعہد سے ، وہ پہلے لوگ بہت عزت کرتے تھے
ہندوستانیوں کی - ہر طرح سے خاطر داری کرتے تھے - اُن کے
دلوں کو اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے - دوستانہ اُن کے رنج و راحت
میں شریک ہوتے تھے - باوجودے کہ وہ بہت بڑی سرداری اور
حکومت ہندوستان میں رکھتے تھے اور تحشم اور رعب اور دبدبہ
جو شان حکومت ہے ، وہ بھی ہاتھ سے نہ دیتے تھے - پھر ایسی
محبت اور عزت ہندوستانیوں کی کرتے تھے کہ ہر ایک شخص
مل کر ان کے اخلاق اور اُن کی محبت کا فریفتہ ہو جاتا تھا اور
تعجب سے کہتا تھا کہ یہ کیسے اچھے لوگ ہیں کہ باوجود اس
حشمت و شوکت اور حکومت کے بے غرور ہیں اور کس طرح
اخلاق سے ملتے ہیں - ہندوستان میں جو لوگ بزرگ گنے جاتے تھے
اُن سے اسی طرح پیش آتے تھے - بے شک اُن لوگوں نے پطرس
مقدس کی پیروی کی تھی[1] اور برادرانہ محبت اور برادرانہ محبت پر
اُلفت بڑھائی تھی - حال میں جو حکام متعہد ہیں اُن میں سے
اکثروں کی طبیعتیں اس کے برعکس ہیں - کیا ان سے غرور اور
تکبر نے تمام ہندوستانیوں کو اُن کی آنکھوں میں ناچیز نہیں
کر دیا ہے ؟ کیا ان کی بد مزاجی اور بے پروائی نے ہندوستانیوں
کے دل میں بے جا دہشت نہیں ڈالی ہے ؟ کیا ہماری گورنمنٹ کو
نہیں معلوم ہے کہ بڑے سے بڑا ذی عزت ہندوستانی حکام سے
لرزاں اور بے عزتی کے خوف سے ترساں نہ تھا ؟ اور کیا یہ
بات چھپی ہوئی ہے کہ ایک اشراف اہل کار صاحب کے سامنے
مسل پڑھ رہا ہے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر باتیں کر رہا ہے ، کہ
صاحب کی بد مزاجی اور سخت کلامی بلکہ دشنام دہی سے
دل میں روتا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے افسوس روٹی اور

۱- پطرس خط ۲ باب ۱ ورس ۵ -

کہیں نہیں ملتی ۔ اس نوکری سے تو گھاس کھودنی بہتر ہے ۔

میں سب حکام پر یہ الزام نہیں لگاتا ، بے شک ایسے حکام بھی ھیں کہ ان کی محبت اور ان کے اخلاق اور اوصاف سب میں مشہور ھیں اور تمام ھندوستانی آن کو چاند اور سورج کی طرح پہچانتے ھیں، اور ان کو اگلے حکام کا نمونہ سمجھتے ھیں اور حقیقت میں وہ اسی نصیحت پر چلتے ھیں جو مسیح مقدس نے شمعون مقدس اور اندریا کو فرمائی تھی ۔ جب کہ وہ دریا میں مچھلیوں کے شکار کو جال ڈالتے تھے کہ میرے پیچھے چلے آؤ ، میں تم کو آدمیوں کا شکار کرنے والا بناؤں گا[1] ۔ انھوں نے اپنی نیک خصلت سے رعایا کو اپنی محبت کے جال میں کھینچ لیا ھے ۔ ان حاکموں نے اپنی حکومت کا رعب بھی رکھا ھے اور پھر بے جا غرور بھی رعایا کے ساتھ نہیں کیا ، اور وھی مبارکی حاصل کی جو مسیح[4] نے فرمائی تھی ''مبارک وہ ھیں جو دل میں بے غرور ھیں اس لیے کہ آسمان کی بادشاھت آن ھی کی ھے[2]''۔ ان حاکموں نے اپنا حام انصاف والا رعایا کو بتایا اور زمین پر حکومت کی ۔ جیسا کہ یسوع مقدس نے فرمایا تھا ''مبارک ھیں وہ جو حلیم ھیں اس لیے کہ زمین کے وارث ھوں گے[3]'' ۔ ان حاکموں نے اپنی روشنی عیسیٰ مسیح[4] کے قول کے بموجب اس طرح رعایا کو دکھلائی کہ '' تمھاری روشنی آدمیوں کے سامنے ویسی ھی چمکے ۔ تاکہ وہ تمھارے نیک کاموں کو دیکھ کر تمھارے باپ کا جو آسمان پر ھے شکر کریں[4]'' ۔ اس قسم کے حاکم اگرچہ کم تھے مگر جہاں تھے عزیز تھے ۔

۱۔ متی باب ۴ ورس ۱۹ ۔
۲۔ متی باب ۵ ورس ۳ ۔
۳۔ متی باب ۵ ورس ۵ ۔
۴۔ متی باب ۵ ورس ۱۶ ۔

مسلمانوں کو یہ باتیں زیادہ ناگوار تھیں اور اس کا سبب -

اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ یہ باتیں ہر ایک قوم کے لوگوں کو ناگوار تھیں مگر مسلمانوں کو زیادہ گراں گزرتی تھیں - مگر اس کا سبب بہت روشن ہے کہ صدھا سال سے مسلمان ہندوستان میں بھی باعزت چلے آتے ھیں - ان کی طبیعت اور جبلت میں ایک غیرت ہے - دل میں لالچ روپیہ کی بہت کم ہے ، کسی لالچ سے عزت کا جانا نہیں چاھتے - بہت تجربہ ہوا ہوگا کہ اور قوم والے جو باتیں بغیر رنج کے اٹھا لیتے ھیں مسلمانوں کو اس سے بھی ادنٰی بات کا اٹھانا نہایت مشکل ہوتا ہے ، ہم نے مانا کہ مسلمانوں میں یہ خصلتیں بہت بری ھی سہی ؛ مگر مجبوری ہے ، خدا نے جو طبیعت بنائی ہے وہ بدلی نہیں جاتی ، اس میں مسلمانوں کی بدبختی سہی ، مگر کچھ قصور نہیں - یہی رنج تھے جن کے باعث تبدل عمل داری کو دل چاھتا تھا - سرکار کے برخلاف خبریں سن کر دل خوش ہوتا تھا - مگر افسوس یہ ہے کہ ھماری گورنمنٹ کو مسلمانوں کی بھلائی سے اغماض نہ تھا - ان کی لیاقت اور تعلیم ان کا ادب سب پیش نظر تھا - مگر یہ لوگ اس سے بے خبر تھے اور ھماری گورنمنٹ کا ارادہ اور دلی نیت حکام کے وسیلے سے ظاہر نہیں ہوتی تھی -

ہندوستانیوں کی ترقی کا نہ ہونا اور لارڈ بنٹنک نے جو ترقی کی وہ کافی نہ تھی -

اھل ھند علی الخصوص مسلمانوں کی ناراضی کا بڑا سبب یہ تھا ، کہ اعلٰی عہدہ جات پر ترقی بہت کم تھی - بہت ھی کم زمانہ گزرا ہے کہ یہ لوگ تمام ہندوستان میں معزز تھے - بڑے بڑے عہدے پاتے تھے - ان کا عزم اور ان کا ارادہ اب بھی ویسا ھی تھا - اسی طرح اپنی قدر منزلت کی ترقی چاھتے تھے اور ظاھر میں کوئی صورت نظر

نہ آتی تھی - ابتدائے عمل داری سرکار میں جو لوگ خاندانی اور معزز تھے وے منتخب ہو کر عہدے پاتے تھے - رفتہ رفتہ یہ بات نہ رہی - اس میں کچھ شک نہیں کہ ان لوگوں میں چنداں لیاقت نہ تھی - اس لیے امتحان کا قاعدہ ہماری رائے میں کسی طرح قابل الزام کے نہیں اور نہ درحقیقت کسی کو اس کا رنج ہے - اس میں کچھ شک نہیں کہ امتحان سے عمدہ اہل کار ہاتھ آئے مگر ایسے ایسے لوگ مان معزز عہدوں پر مقرر ہو گئے جو ہندوستانیوں کی آنکھوں میں نہایت بے قدر تھے - سرٹیفکیٹ ملنے میں خاندانی اور ذی عزت ہونے کا بہت کم لحاظ رہا - جس قدر ہندوستانیوں کی ترقی لارڈ بنٹنگ صاحب بہادر نے کی آس سے زیادہ پھر نہیں ہوئی ، کچھ شک نہیں ہے کہ وہ ترقی بہ سبب قلت عہدہ جات کے نہایت ناکافی تھی - بڑے بڑے اعلیٰ حاکم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ جیسی ترقی ہندوستانیوں کی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی -

بادشاہانہ دربار کا نہ ہونا -

اہل ہند کی قدیم عادت تھی کہ اپنے بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوتے تھے - بادشاہ کی شان و شوکت اور تجمل اور تحشم دیکھ کر خوش ہوتے تھے - ایک قاعدہ جبلت انسانی میں پڑا ہے کہ اپنے بادشاہ اور مالک سے مل کر دل خوش ہوتا ہے ، یہ بات جانتا ہے کہ یہ ہمارا بادشاہ اور ہمارا مالک ہے - ہم اس کے تابع اور رعیت ہیں ، علی الخصوص اہل ہند کو قدیم سے اس کی عادت پڑی ہوئی تھی جو اب تک نایاب تھی -

لارڈ آکلنڈ اور لارڈ الن برا صاحب بہادر نے جو دربار کیے وہ بہت ہی مناسب تھے -

نواب گورنر جنرل بہادر اگرچہ دورہ میں دربار کرتے تھے ، مگر ہندوستانیوں کی مراد تک پورا نہ تھا لارڈ آکلنڈ اور لارڈ الن برا صاحب بہادر نے البتہ شاہانہ دربار کیے -

شاید ولایت میں یہ طریقہ کچھ نا پسند ہوا ہو، مگر حق یہ ہے کہ ہندوستان کے حالات کے مناسب تھا، بلکہ اب بھی جیسا چاہیے تھا ویسا نہ ہوا تھا۔ خدا ہمیشہ ہماری ملکہ معظمہ وکٹوریا کا حافظ رہے۔ خدا ہمیشہ ہمارے ناظم مملکت ہند نائب مناب ملکہ معظمہ اور گورنر جنرل بہادر ہندوستان کا حافظ رہے ہم کو امید ہے کہ اب کوئی آرزو اہل ہند کی بے پوری ہوئے باقی نہ رہے گی۔

سچ ہے کہ حقیقی بادشاہت خدا تعالیٰ کو ہے، جس نے تمام عالم کو پیدا کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حقیقی سلطنت کا نمونہ دنیا میں بادشاہوں کو پیدا کیا ہے تاکہ اس کے بندے اس نمونے سے اپنے حقیقی بادشاہ کو پہچان کر اس کا شکر ادا کریں۔ اس لیے بڑے بڑے حکیموں اور عقل مندوں نے یہ بات ٹھہرائی ہے کہ جیسا کہ اس حقیقی بادشاہ کی خصلتیں داد و دہش اور بخشش اور مہربانی کی ہیں، اسی کا نمونہ ان مجازی بادشاہوں میں بھی چاہیے۔ یہی بات ہے کہ جس کے سبب بڑے بڑے عقل مندوں نے بادشاہ کو ظل اللہ ٹھہرایا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جس طرح خداوند تعالیٰ کی بے انتہا بخشش اپنے تمام بندوں کے ساتھ ہے اسی طرح بادشاہوں کی بخشش اور انعام اپنی ساری رعیت کے ساتھ چاہیے۔ اگرچہ ابتداء میں یہ بات خیال میں آتی ہے کہ ذرا ذرا سی بات میں انعام و اکرام دینا بے فائدہ خزانہ کا خالی کرنا ہے۔ مگر یہ بات یوں نہیں۔ بلکہ انعام و اکرام سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ رعیت کو اپنے بادشاہ کی محبت بڑھتی ہے۔ کلیہ قاعدہ ہے کہ الانسان عبید الاحسان۔ اس لیے تمام رعیت اپنے بادشاہ کا انعام و اکرام دیکھ کر اس سے خواہ نخواہ دلی محبت پیدا کرتی ہے اور اچھی اچھی خدمت گزاریوں

اور خیر خواھیوں کا حوصلہ رکھتی ہے ۔ تاریخ کی کتابوں سے
ظاھر ہے کہ اگلی عمل داریوں میں یہ بات بہت رائج تھی ۔
ھر ھر طرح سے انعام و اکرام رعایا کو اور سرداروں کو ملتا
تھا ۔ بڑے بڑے قیمتی خلعت اور عمدہ عمدہ تحفے اور نقد روپیہ
اور زمین جاگیر انعام میں ملتی تھی ۔ خاندانی آدمی خطاب پاتے
تھے ۔ ھم چشموں میں عزت پیدا کرتے تھے ۔ اُن کے دل میں
بڑے بڑے حوصلے آتے تھے اور ھندوستان کی رعایا اس بات کو
بہت پسند کرتی تھی ۔ بلکہ صد ھا سال سے اس کے عادی ھو رہے
تھے ۔ ھماری گورنمنٹ نے یہ سلسلہ بالکل موقوف کر دیا تھا ۔
کسی شخص کو رعیت میں سے اس قسم کے ظاھری انعام و اکرام
کی توقع نہیں رھی تھی اور اسی باعث سے تبدل عمل داری کو
ان کا دل چاھتا تھا ۔ یہاں تک کہ جب کبھی آنریبل ایسٹ انڈیا
کمپنی کے ٹھیکہ ختم ھونے اور ملکہ معظمہ کی عمل داری
ھونے کی خبر سنتے تھے تو خوش ھوتے تھے ۔

اگلے بادشاھوں کے عہد میں انعام و اکرام دو قسم کا
ھوتا تھا ۔ ایک وہ جو بادشاہ اپنی عیاشی اور اپنی ناپسندیدہ
خصلتوں کے پالنے میں خرچ کرتا تھا ۔ یہ بات درحقیقت ناپسندیدہ
تھی اور ھندوستانی بھی اس کو ناپسند کرتے تھے بلکہ پاجیوں
اور غیر مستحقوں کے انعام سے ناراض ھوتے تھے ۔ دوسری
قسم کا انعام وہ تھا جو بادشاہ اپنے خیر خواہ نوکروں اور فتح
نصیب سرداروں ، اپنی رعیت کے علماء اور صلحاء اور فقراء اور
شعراء اور خانہ نشینوں اور بے رزقوں کو دیتا تھا ۔ اس قسم کے
انعام کی سب خواھش رکھتے ھیں اور اسی کے نہ ھونے سے
ناراض ھیں ۔ گو ان باتوں سے رعایا کم ھمت اور آرام طلب
ھو جاتی ہے اور محنت کش اور قوت بازو سے روٹی کمانے والی

نہیں رہتی اس لیے بادشاہ کو اس قسم کے انعام سے قطع نظر کر کے دوسری قسم کا انعام یعنی آزادی دینا بہتر ہے تا کہ اُن کو خود روٹی کمانے کی گنجائش ملے - یہ بات سچ ہے مگر یہ انعام اس وقت جاری ہو سکتا ہے جب کہ رعایا آسودہ اور تربیت یافتہ ہو ، نہ یہ کہ وحوش سیرتوں کی ناک میں سے نکیل نکال کر بے آب و دانہ جنگل میں ہانک دیں کہ خود دانہ و پانی ڈھونڈ لو - اُن کا انجام کیا ہوگا بجز اس کے کہ گویا مر جائیں گے یا وہی وحشیوں کی سی حرکتیں کریں گے جس سے ہماری مراد ہندوستان کی یہ سرکشی ہے -

جس قدر اصلی سرکشی ہندوستان میں ہوئی اس سے زیادہ دکھائی دی -

غصہ ایک ایسی چیز ہے کہ معاملات کی اصلیت کو آنکھ سے چھپا دیتا ہے - طبیعت انتقام اور سیاست کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے - سچ ہے کہ جو وارداتیں ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں پیش آئیں اسی لائق تھیں کہ ہمارے کو جس قدر غصہ آئے اور جس قدر انتقام اور سیاست کریں سب بجا ہے - مگر ہندوستان کے حالات پر غور کرنا چاہیے کہ درحقیقت کس قدر سرکشی ہندوستان میں اصلی تھی اور کیوں اس قدر بڑھ گئی اور کیوں اس قدر دکھائی دی ، اور بد نصیب مسلمان کیوں زیادہ مفسد بعض اضلاع میں دکھائی دیے - غور کرنے کی بات ہے کہ صدہا سال سے عمل داریٔ ہندوستان میں تزلزل تھا - رعایائے ہندوستان کو یہ موروثی عادت تھی کہ جب کوئی امیر یا سردار یا بادشاہ زادہ تابو یافتہ ہوا اُس کے ساتھ ہزاروں آدمی جمع ہو گئے - اُس کی نوکری کو ، اُس کی طرف سے عاملی کو ، اُس کی طرف سے انتظام کو کسی طرح اپنا قصور نہیں سمجھتے تھے - ہندوستان میں یہ ایک مشہور مثل ہے کہ

نوکری پیشہ کا کیا قصور ۔ جس نے نوکر رکھا ، تنخواہ دی
اُس کی نوکری کی ۔ البتہ جب سردار اٹھایا جائے اور اُس کی جگہ
دوسرا سردار قائم ہو ، اُس کی اطاعت نہ کرنے کو قصور
سمجھتے تھے ۔ ہندوستان کے امیروں اور سرداروں کی عادت ،
علی الخصوص ان کی جو قبل عمل داری سرکار کے ہندوستان پر
متسلط تھے اور جس کے سبب ہندوستان طوائف الملوک ہو رہا
تھا ، یہی تھی کہ ملازمین سیف و قلم سے کسی طرح مزاحمت نہ
کرتے تھے ۔ وہی عادت تمام ہندوستان کے لوگوں کو پڑی تھی ،
جب ہندوستان میں مفسدوں نے سر اٹھایا اور لوگوں کو نوکر
رکھنا چاہا ، ہزاروں آدمی جو روٹی سے محتاج اور نوکریوں کے
خواہش مند تھے جا کر نوکر ہوئے ۔ سب کہتے تھے کہ ہمارا
کیا قصور ہے ۔ ہم تو نوکری پیشہ ہیں ، عام رعایا میں سے
بہت سے لوگ اُس اپنی قدیمی عادت سے کہ اب جو سردار ہے اُس کی
اطاعت کریں ، ہم تو رعیت ہیں ، جو زبردست ہے اُس کے تابع
ہیں ، باغیوں کے تابع ہو گئے بہت سے اہل کاران سرکاری یہ
سمجھے کہ باغیوں سے ظاہر داری کر کے جان بچائیں اور جب
سرکار کا تسلط ہو پھر سرکار کے تابع ہوں وہ بھی مجرم ہو گئے ۔
حالاں کہ کچھ شک کا مقام نہیں کہ وہ دل سے سرکار کے تابع
تھے ۔ اکثر لوگوں اور اہل کاروں سے دفعۃً مجبوری ، خواہ نادانی
خواہ بہ مقتضائے بشریت کوئی بات ہو گئی اُنھوں نے خیال کیا
کہ اب ہمارے اس قصور اتفاقیہ یا مجبورانہ یا جاہلانہ سے سرکار
درگزر نہیں کرنے کی اور سزا دے گی ۔ اس خوف اور ڈر سے
لاچار باغیوں کے ساتھ جا شامل ہوئے ، بہت سے آدمیوں نے
درحقیقت کچھ نہیں کیا تھا مگر بہ خوف اور بہ سببِ اور خیالات
چند در چند باغیوں میں مل گئے ۔ بہت لوگوں نے اس زمانہ میں

وہ باتیں کیں جن باتوں کو وہ لوگ اپنے ذہن اور اپنی سمجھ میں جرم مخالف سرکار نہیں سمجھتے ۔

اگر تمام ہندوستان کے حالات بغاوت پر نظر کی جائے گی تو ہم کو یقین ہے کہ دونوں قومیں جو ہندوستان میں بستی ہیں ، برابر بلکہ ایک سے زیادہ ایک اور ایک سے زیادہ ایک اس فساد میں نظر پڑیں گی اور اس کے اثبات پر تمام حالات ہندوستان کے گواہ موجود ہیں ۔ مگر جن اضلاع میں مسلمان زیادہ تر مفسد دکھائی دیے اس کا سبب صرف یہی نہیں خیال کرنا چاہیے کہ دلی کی سلطنت پر مسلمان بادشاہ نے دعویٰ کیا تھا اور درحقیقت مسلمان اسی قدر مفسد ہوئے تھے جیسا کہ نظر پڑے ۔ نہیں حکام کا مزاج دفعۃً اُن باتوں سے جو ظاہر میں مسلمانوں سے ہوئیں ناراض ہوگیا ۔ اُن کے مخالفوں کو بڑی گنجائش ہوگئی ۔ خود غرضانہ باتیں پیش کرنے کو تھوڑی بات کو بہت بڑھا کر کہا ۔ ادھر حکام کو زیادہ ناراضی ہوئی ، اُدھر مسلمانوں کو زیادہ تر خوف اور مایوسی ہوئی اور اپنی تقدیر سے جتنے تھے اس سے زیادہ مفسد دکھائی دیے ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ پانچویں قسم کی بغاوت مسلمانوں میں بہت تھی اور وہ تبدل عمل داری کے خیال سے بہت خوش ہوتے تھے ۔ جس کا سبب ہر ایک مقام پر ہم بیان کرتے آئے ہیں ۔ با ایں همه ہماری گورنمنٹ پر مخفی نہ ہوگا کہ اس حال پر بھی جاں بازی کی خیر خواہیاں اس ہنگامہ میں کس سے زیادہ ظہور میں آئی ہیں ۔ خدا کے آگے جس کو حقیقی بادشاہت ہے اور دنیا کے بادشاہوں کے آگے جن کو مجازی سلطنت[1] خداوند نے عطا کی ہے سب گنہگار

۱۔ زبور ۴۳ ورس ۲ ۔

ہیں ۔ سچ فرمایا داؤد مقدس علیہ السلام نے کہ اے خداوند ! اپنے بندے سے حساب نہ لے ۔ کیوں کہ کوئی جان دار تیرے حضور بے گناہ ٹھہر نہیں سکتا ، اے خدا اپنے کامل کرم سے مجھ پر رحم کر اور اپنے رحموں کی فراوانی سے میرے گناہ مٹا دے ، مجھے میری برائی سے خوب دھو اور مجھے میرے گناہ سے پاک کر آمین[1] ۔

ملکہ معظمہ کا اشتہار نہایت قابل تعریف کے ہے بلکہ خدا کے الہام سے جاری ہوا ہے ۔

خدا وند ہمیشہ ہماری ملکہ معظمہ وکٹوریا کا حافظ ہے ۔ میں بیان نہیں کر سکتا خوبی اس پر رحم اشتہار کی جو ہماری ملکہ معظمہ نے جاری کیا بے شک ہماری ملکہ معظمہ کے سر پر خدا کا ہاتھ ہے ۔ بے شک یہ رحم اشتہار الہام سے جاری ہوا ہے ۔ ہندوستان کا بہت قدیم قاعدہ چلا آیا ہے کہ جب دارالسلطنت پر کوئی بادشاہ خواہ از روئے استحقاق کے اور خواہ بغیر استحقاق کے قائم ہوا سب سردار ملکوں کے اس کی طرف رجوع کرتے تھے ۔ اس ہنگامے میں بھی یہی ہوا کہ جب دلی کا بادشاہ تخت پر بیٹھا اور ملکوں میں خبر پہنچی کہ دلی کے بادشاہ نے تخت سنبھالا سب نے بادشاہ کی طرف رجوع کی ۔ جب کہ دلی کا بادشاہ پکڑا گیا اور وہ دارالسلطنت ہماری گورنمنٹ کے قبضہ میں آیا سب کو یقین تھا کہ جملہ مفسد جنھوں نے سر اٹھایا ہے اطاعت کریں گے ۔ شاید باغی فوج کے لوگ رہ جاتے ۔ مگر یہ امر جو ظہور میں نہ آیا اس کا سبب لکھنا ہم اپنی اس رائے میں ضرور نہیں سمجھتے ۔

۱- زبور ۵۱ ورس ۱ ، ۲ ۔

اصل پنجم

بد انتظامی اور بے اہتمامی فوج

پنجم - بد انتظامی و بے اہتمامی فوج -

ہماری گورنمنٹ کا انتظام فوج ہمیشہ قابل اعتراض تھا - فوج انگلشیہ کی کمی ہمیشہ اعتراض کی جگہ تھی - جب کہ نادر شاہ نے خراسان پر فتح پائی اور ایران، افغانستان دو مختلف ملک اس کے قبضے میں آئے اُس نے برابر کی دو فوجیں آراستہ کیں ایک ایرانی قزلباشی دوسری افغانی - جب ایرانی فوج کچھ عدول حکمی کا ارادہ کرتی تو افغانی فوج اُس کے دبانے کو موجود تھی اور جب افغانی فوج سرتابی کرتی تو قزلباشی اُس کے تدارک کو موجود ہوتی - ہماری گورنمنٹ نے یہ کام ہندوستان میں نہیں کیا - ہم نے مانا کہ ہندوستانی فوج سرکار کی بڑی تابع دار اور خیر خواہ اور جان نثار تھی مگر یہ کہاں سے عہد ہو گیا تھا کہ کبھی اس فوج کے خلاف مرضی حکم نہ ہوگا اور کسی حکم سے یہ فوج آزردہ خاطر نہ ہوگی - پھر درصورت ناراض ہو جانے اس فوج کے جیسا کہ ہوا کیا راہ رکھی تھی ہماری گورنمنٹ نے جس سے اُس تمردی کا رفع دفع فی الفور ہو سکتا؟

مسلمانوں اور ہندوؤں کو مخلوط کر کے پلٹنوں میں نوکر رکھنا -

یہ بات سچ ہے کہ ہماری گورنمنٹ نے ہندو مسلمان دونوں قوموں کو جو آپس میں مخالف ہیں نوکر رکھا تھا - مگر بہ سبب مخلوط ہو جانے ان دونوں قوموں کے ہر ایک پلٹن میں یہ تفرقہ نہ رہا تھا - ظاہر ہے کہ ایک پلٹن کے جتنے نوکر ہیں ان میں بہ سبب ایکجا رہنے کے اور ایک لڑی میں مرتب ہونے کے آپس میں اتحاد اور ارتباط برادرانہ ہو جاتا تھا -

ایک پلٹن کے سپاھی اپنے آپ کو ایک برادری سمجھتے تھے اور اسی سبب سے ھندو مسلمان کی تمیز نہ تھی ۔ دونوں قومیں آپس میں اپنے آپ کو بھائی سمجھتی تھیں ۔ اُس پلٹن کے آدمی جو کچھ کرتے تھے سب اُس میں شریک ھو جاتے تھے ۔ ایک دوسرے کا حامی اور مددگار ھو جاتا تھا ۔

اگر مسلمانوں کی جدا پلٹن ھوتی تو شاید مسلمانوں کو کارتوس کاٹنے میں عذر نہ ھوتا ۔

اگر انھیں دونوں قوموں کی پلٹنیں اس طرح پر آراستہ ھوتیں کہ ایک پلٹن نری ھندوؤں کی ھوتی جس میں کوئی مسلمان نہ ھوتا اور ایک پلٹن نری مسلمانوں کی ھوتی جس میں کوئی ھندو نہ ھوتا تو یہ آپس کا اتحاد اور برادری نہ ھونے پاتی اور وھی تفرقہ قائم رھتا اور میں خیال کرتا ھوں کہ شاید مسلمان پلٹنوں کو کارتوس جدید کاٹنے میں بھی کچھ عذر نہ ھوتا ۔

فوج ھندوستانی کا نہایت مغرور ھو جانا اور اُس کے اسباب -

فوج انگلشیہ کے کم ھونے سے رعایا کو بھی جو کچھ خوف تھا وہ صرف ھندوستانی ھی فوج کا تھا ۔ علاوہ اس کے ھندوستانی فوج کو بھی بے انتہا غرور تھا ۔ وہ اپنے سوا کسی کو نہیں دیکھتے تھے ۔ فوج انگلشیہ کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے تھے ۔ تمام ھندوستان کی فتوحات صرف اپنی تلوار کے زور سے جانتے تھے ۔ اُن کا یہ قول تھا کہ برھما سے لے کر کابل تک ھم نے سرکار کو فتح کر دیا ھے ۔ علی الخصوص پنجاب کی فتح کے بعد ھندوستانی فوج کا غرور بہت زیادہ ھوگیا تھا ۔ اب ان کے غرور نے یہاں تک نوبت پہنچائی تھی کہ ادنیٰ ادنیٰ بات پر تکرار کرنے پر مستعد تھے ۔ میں خیال کرتا ھوں کہ فوج کے غرور اور تکبر کی یہاں تک نوبت پہنچی تھی کہ کچھ عجب نہ تھا کہ وہ کوچ اور مقام پر تکرار کرنے لگتی ۔

ایسے وقت میں جب فوج کا یہ حال تھا کہ اُن کے سر غرور اور تکبر سے بھرے ہوئے تھے اور دل میں یہ جانتے تھے کہ جس بات پر ہم اڑیں گے اور تکرار کریں گے خواہ مخواہ سرکار کو ماننا پڑے گا ، ان کو نئے کارتوس دیے گئے جس میں وہ یقین کرتے تھے کہ چربی کا میل ہے اور اس کے استعمال سے ہمارا دھرم جاتا رہے گا ۔ انھوں نے اس کے کاٹنے سے انکار کیا ۔ جب بارک پور کی پلٹن اس جرم میں موقوف ہوگئی اور حکم سنایا گیا تو تمام فوج نہایت رنجیدہ ہوئی کیوں کہ وہ یوں سمجھتے تھے کہ بہ سبب تخلل مذہب کے بارک پور کی پلٹن کا کچھ قصور نہ تھا ۔ وہ محض بے قصور اور سرکار کی نا انصافی سے موقوف ہوئی ہے ۔ تمام فوج نہایت رنجیدہ تھی کہ ہم نے سرکار کے ساتھ رفاقتیں کیں ۔ اپنے سر کٹائے ۔ سرکار کو ملک در ملک فتح کر کے دیے اور سرکار ہمارا مذہب لینے کی درپے ہوئی ۔

جنوری ۱۸۵۷ء کے بعد فوج میں صلاح اور پیغام ہوئے کہ کارتوس نہ کاٹیں گے ۔

اُس وقت کچھ فساد نہ ہوا کیوں کہ فوج پر بجز موقوفی کے اور کچھ جبر نہ ہوا تھا ۔ مگر تمام فوج کے دل میں کچھ تو بہ سبب یقین ہونے چربی کارتوس میں اور کچھ بہ سبب رنج موقوفی پلٹن بارک پور کے اور سب سے زیادہ بہ سبب غرور اور خود بینی اور اس خیال سے کہ جو کچھ ہیں ہم ہی ہیں مصمم ارادہ ہوگیا کہ ہم میں سے کوئی بھی کارتوس نہیں کاٹنے کا ۔ اس میں کچھ ہی ہو جائے ۔ بلا شبہ بعد واقعۂ بارک پور آپس میں فوجوں کے خط و کتابت ہوئی ۔ پیغام آئے کہ کارتوس جدید کوئی نہ کاٹے ۔ اب تک تمام فوج کے دل میں ناراضی اور غصہ تو تھا مگر میری رائے

مین ابھی تک کچھ فاسد ارادہ نہین تھا ۔

میرٹھ میں سزائے نامناسب کا ہونا اور بہ سبب رنج اور غرور کے فوج کا سرکشی کرنا ۔

دفعۃً تقدیر سے کم بخت مئی ۱۸۵۷ء کی آگئی ۔ میرٹھ میں سپاہ کو بہت سخت سزا دی گئی جس کو ہر ایک عقل مند بہت برا اور ناپسند جانتا ہے ۔ اس سزا کا رنج جو کچھ فوج کے دل پر گزرا بیان سے باہر ہے ۔ وہ اپنے تمغوں کو یاد کرتے تھے اور بجائے اُس کے بیڑیوں اور ھتکڑیوں کو پہنے ہوئے دیکھ کر روتے تھے ۔ وہ اپنی وفاداریوں کا خیال کرتے تھے اور پھر اُس کے صلہ میں جو اُن کو انعام ملا تھا دیکھتے تھے اور علاوہ اس کے اُن کا ۔ انتہا غرور جو اُن کے سر میں تھا اور جس کے سبب وہ اپنے تئیں بہت ہی بڑا سمجھتے تھے اُن کو زیادہ رنج دیتا تھا ۔ پھر سب فوج مقیم میرٹھ کو یقین ہوگیا کہ یا ہم کو کارتوس کاٹنا پڑے گا یا یہی دن نصیب ہوگا ۔ اُسی رنج اور غصہ کی حالت میں دسویں مئی کو فوج سے وہ حرکت سرزدہ ہوئی کہ شاید اس کی نظیر بھی کسی تاریخ میں نہیں ملنے کی ۔ اُس فوج کو کیا چارہ رہا تھا اس حرکت کے بعد بجز اس کے کہ جہاں تک ہوسکے مفسدے پورے کرے ۔

بعد فساد میرٹھ کے فوج کو گورنمنٹ کا اعتبار نہ رہا ۔

جہاں جہاں فوج میں یہ خبر پہنچی تمام فوج زیادہ تر رنجیدہ ہوئی ۔ میرٹھ کی فوج سے جو حرکت ہوئی تھی اُس سے تمام ہندوستانی فوج نے یقین جان لیا تھا کہ اب سرکار کو ہندوستانی فوج کا اعتبار نہ رہا ۔ سرکار وقت پا کر سب کو سزا دے گی اور اس سبب سے تمام فوج کو اپنے افسروں کے فعل اور قول کا اعتبار اور اعتماد نہ تھا ۔ سب آپس میں کہتے تھے کہ اس وقت تو یہ ایسی باتیں ہین ۔ جب وہ نکل جائے گا تو یہ سب آنکھیں بدل

لیں گے - میں بہت معتبر بات کہتا ہوں کہ دلی میں جو فوج باغی جمع تھی اُس میں سے ہزاروں آدمیوں کو اس بے جا حرکت اور بے فائدہ بغاوت کا رنج تھا - وہ روتے تھے اور کہتے تھے کہ ہماری قسمت نے یہ کام ہم سے کرایا - پھر بہت افسوس سے کہتے تھے "کہ اگر ہم نہ کرے" تو کیا کرتے - ایک نہ ایک دن سرکار ہم کو تباہ کر دیتی کیونکہ سرکار کو اب ہندوستانی فوج پر اعتماد نہیں رہا تھا - وہ قابو کا وقت جب پاتے ہم کو تباہ کر دیتے - ابتدائے غدر میں جب ہنڈن پر فوج کشی کا ارادہ ہوا ہے ہنوز فوج روانہ نہ ہوئی تھی کہ بعضے آدمیوں کی صاف رائے تھی کہ جس وقت دلی پر فوج سے لڑائی شروع ہوئی بلا شبہ تمام ہندوستانی فوج بگڑ جائے گی - چناں چہ یہی ہوا - سبب اس کا یہی تھا کہ فوج سے لڑائی شروع ہو - کے بعد ممکن نہ تھا کہ باقی فوج سرکار سے مطمئن رہتی - وہ ضرور سمجھتی تھی کہ جب ہمارے بھائی بندوں کو مار لیں گے تب ہم پر متوجہ ہوں گے - اس لیے سب نے فساد پر کمر باندھ لی اور بگڑتے گئے - جن کے دل میں کچھ فساد نہ تھا وہ بھی بہ سبب شامل ہونے فوج کے اُس جتھے سے الگ نہ ہو سکے - ہندوستانی رعایا جانتی تھی کہ سرکار کے پاس جو کچھ ہے وہ ہندوستانی فوج ہے - جب تمام فوج کا بگڑنا مشہور ہوگیا سب نے سر اٹھایا - عمل داری کا ڈر دلوں سے جاتا رہا اور سب جگہ فساد برپا ہوگیا -

پنجاب میں سرکشی نہ ہونے کے سبب -

اب ہماری اس رائے کو پنجاب کے حالات پر تولو - پنجاب کے مسلمان بہت ستم رسیدہ تھے سکھوں کے ہاتھ سے - سرکاری عمل داری سے اُن کا چنداں نقصان نہ ہوا تھا - سرکار نے پنجاب میں ابتدائے عمل داری

میں بہت تشدد کیا تھا ۔ اور اب دن بدن رفاہ کرتی جاتی تھی ۔ برخلاف ھندوستان کے کہ یہاں بالعکس تھا ۔ ابتدائے عمل داری میں تمام ملک کے ھتیار لے لیے گئے ۔ کسی کو قابو فساد کا نہ رھا تھا ۔ اگرچہ وہ تمول سکھوں کو جو پہلے تھا نہ رھا تھا ۔ مگر اُن کا کمایا ھوا روپیہ جو اُن کے پاس جمع تھا ابھی خرچ نہ ھو چکا تھا اور وہ مفلسی جو ھندوستان میں تھی وھاں ابھی نہیں آئی تھی ۔ اس کے سوا تین سبب اور بہت قوی تھے جو پنجاب نہ بگڑا ۔ اول یہ کہ فوج انگلشیہ وھاں موجود تھی ۔ دوسرے یہ کہ وھاں کے حکام کی ھوشیاری سے دفعۃً بے خبری میں ھندوستانی فوج کے ھتیار لے لیے گئے ۔ بہ سبب طغیانی اور کثرت سے واقع ھونے دریاؤں اور بند ھو جانے گھاٹوں کے ھندوستانی فوج بے قابو ھوگئی فوج کا فساد برپا نہ ھو سکا ۔ تیسرے یہ کہ تمام سکھ اور پنجابی اور پٹھان جن سے احتمال فساد تھا سرکار میں نوکر ھوگئے تھے اور لوٹ کا لالچ اُس پر مزید تھا ۔ جو بات رعایائے ھندوستان اور روزگار پیشہ کو باغیوں کے ھاں بہ مشکل اور بذلت حاصل ھوتی تھی وہ اھل پنجاب کو سرکار کے ھاں بہ عزت و بلا دقت نصیب تھی ۔ پھر حالات پنجاب کے ھندوستان کے حالات کے بالکل مخالف تھے ۔

ترجمہ چٹھی پادری ای ایڈمنڈ جس کا ذکر سرسید نے اس مضمون میں کیا ھے

بخدمت تعلیم یافتہ باشندگان ھند

معلوم ھوتا ھے ۔ کہ اب وہ وقت آ گیا ھے کہ اس مضمون پر سرگرمی کے ساتھ غور کی جائے کہ سب لوگوں کو ایک ھی مذھب اختیار کرنا چاھیے یا نہیں ۔ ریلیں ، دخانی جہاز اور تار برق نہایت تیزی کے ساتھ دنیا کی تمام قوموں کو ملا رھی ھیں جس قدر

زیادہ قومیں ملتی جاتی ھیں اُسی قدر زیادہ اس نتیجہ کا یقین ھوتا جاتا ھے کہ تمام لوگوں کی ایک ھی حاجتیں اور ایک ھی اندیشے اور ایک ھی امید و بیم ھیں اور یہ بات بھی بہت متیقن ھے کہ موت سب کے لیے اس سین کو ختم کر دیتی ھے۔

تو پھر کیا ایسے وسائل نہیں ھیں جن سے زندگی کے رنج اور تفکرات کم ھو سکیں اور جن سے تمام لوگوں کو موت کے وقت آرام مل سکے ؟ کیا یہ فرض کر لینا معقول ھے کہ ھر ایک قوم کو رجماً بالغیب محض قیاس کے ذریعہ سے اپنے واسطے راستہ نکالنا چاھیے ؟ یا جس خدا نے سب کو بنایا ھے اُس نے اپنے خاندان کے مختلف لوگوں کے لیے موجودہ اور آیندہ خوشی حاصل کرنے کے واسطے مختلف طریقے مقرر کیے ھیں ؟ بے شک یہ بات نہیں ھوسکتی ھے۔

پس مذھب عیسوی ھی ایسا مذھب ھے جو خدا کے پاس سے براہ راست الہام کے ذریعے سے آنے کا دعویٰ کرتا ھے اور یہی ایسا مذھب ھے جس سے اس دنیا میں اور دوسری دنیا میں جس کا حال اس سے منکشف ھوتا ھے ؛ خوشی حاصل ھو سکتی ھے۔ دنیا کے کسی دوسرے مذھب سے اس مذھب کو ممتاز کرنے کے لیے اُس میں یہ خصوصیت پائی جاتی ھے کہ یہ انسان کے دل اور عقل سے اپیل کرتا ھے اور دنیا میں صرف یہی مذھب ھے جو محض دلیل کے زور سے پھیلا ھے۔ جو قومیں اس مذھب پر اعتقاد رکھتی ھیں وہ سب سے زیادہ غور و غوُض کرنے والی اور دنیا میں سب سے زیادہ شائستہ ھیں۔ پس بہر کیف اس مذھب کو حق حاصل ھے کہ اس پر غور کی جائے۔

چوں کہ ھم نے خود اس سے نہایت ھی بڑی برکتیں حاصل کی ھیں اس لیے ھم چاھتے ھیں کہ اور لوگوں کو بھی اُن کے

حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے اور اس لیے یہ سنجیدہ اور سرگرم اپیل آپ سے کیا جاتا ہے کہ بہ طور خود آپ اس اہم مضمون کو امتحان کریں - اس مذہب کی تائید میں بے شمار دلیلیں ہیں ، مگر اس مضمون میں ان میں سے صرف ایک پر بحث کی جائے گی مگر وہ ایک امر کو مستحکم کرنے کے لیے بالکل کافی ہوگی -

ایک شخص یسوع[۴] نامی ملک یہودیہ کے مقام بیت اللحم میں تقریباً ۱۱۵۹[۱] - برس گزرے ، پیدا ہوا تھا وہ عالی خاندان اور دولت مند نہ تھا لیکن اس نے اس بات کا دعویٰ کیا کہ مجھ کو خدا نے بھیجا ہے تاکہ میں لوگوں کو صرف وہی رستہ بتاؤں جو خدا کی طرف رہنمائی کرے گا - اس ملک میں تین سال وعظ کرتے پھرنے کے بعد سلطنت روما نے یہودی علماء کی درخواست پر اس کو مار ڈالا - یہاں تک سب مانتے ہیں جس طرح جولیس سیزر کی موت ایک امر واقعی ہے اسی طرح یسوع کی موت بھی ایک امر واقعی ہے - اور کسی شخص کو نہ ایک میں شبہ ہے نہ دوسرے میں - یہودی جو یسوع اور اس کی تعلیم کے سب سے بڑے دشمن ہیں اس پر فخر کرتے ہیں اور یہ سب سے بہتر شہادت ہے جس کی ہم خواہش کر سکتے تھے -

اس کے پیرو کہتے ہیں کہ وہ مر کر دوبارہ زندہ ہوا - یہ ایک بڑا واقعہ ہے جس پر تمام مذہب عیسوی منحصر ہے - اگر یہ سچا ہے تو انجیل بھی سچی ہے کیوں کہ کوئی شخص مر کر زندہ

۱- اصل انگریزی چٹھی میں بھی ۱۱۵۹ لکھا ہے ظاہراً یہ چھاپہ کی غلطی معلوم ہوتی ہے کیوں کہ پادری ای ایڈمنڈ کی چٹھی ۱۸۵۷ء میں شائع ہوئی تھی اور اس وقت عیسیٰ مسیح کی ولادت کے حساب سے بھی سنہ ہونا چاہیے تھا -

نہیں ہو سکتا جب تک خدا کی مدد شامل حال نہ ہو - اور خدا اس شخص کو ہرگز مردہ سے زندہ نہ کرے گا جس کی زندگی اور تعلیم اس کو پسندیدہ نہ ہو - اگر یہ غلط ہے تو انجیل بھی غلط ہے -

ہم نہایت ادب سے اور سرگرمی سے آپ کو تاکید کرتے ہیں کہ آپ اپنی تمام توجہ اس مسئلہ پر مبذول فرمائیں کہ آیا یسوع زندہ ہوا یا نہیں ہم کو اس امر پر گواہ لانے چاہئیں اور وہ حسب ذیل ہیں :

پیٹر ، جیمز ، جان ، متھیو ، متھیاس ، ٹومس ، جیوڈ - میری میگڈلین ، کایوفس اور پانسو ۵۰۰ اور جن کے نام اب معلوم نہیں ہیں - بہت سے ان میں سے خاص دوست تھے جو یسوع کی موت سے پہلے تین سال تک متواتر اس کے ساتھ رہے تھے اس لیے وہ اس کی شناخت میں غلطی نہیں کر سکتے تھے - انھوں نے اس کی وفات سے پچاس دن کے اندر اندر آ کر ظاہر کیا کہ وہ اسی جگہ اور انھی لوگوں میں جنھوں نے اس کو مصلوب کیا تھا دوبارہ پیدا ہوا -

اگرچہ اس بات کے ظاہر کرنے میں ان کا کچھ فائدہ نہ تھا بلکہ ہر چیز کے کھو بیٹھنے کا خطرہ تھا - یہاں تک کہ جانوں کے بھی ضائع ہونے کا احتمال تھا مگر اس پر بھی انھوں نے کئی ہزار آدمیوں کو اس بات کا یقین کرنے کی ترغیب دی کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں سچ ہے - یہاں تک کہ وہی لوگ جو اس کو نہیں مانتے تھے اور حقیر سمجھتے اور اس سے نفرت کرتے تھے اب اس کے نام کی عزت اور پرستش کرنے لگے -

جب تک وہ زندہ ہے نہ صرف یہودیہ میں بلکہ تمام سلطنت روما میں اس واقعہ کا ذکر کرتے رہے بہت سے لوگوں نے

اپنی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ اس بات کے کہنے کے عوض میں اپنے لیے موت اور سخت اذیت گوارا کی جب کہ وہ صرف یہ کہہ کر چھوٹ سکتے تھے کہ یہ بات جھوٹ ہے۔ اگرچہ وہ جاہل اور ان پڑھ تھے مگر انھوں نے تمام سلطنت روما میں ہزاروں کو ایسی ترغیب دی کہ وہ ان کا یقین کرنے لگے اور اپنے مذہب ترک کر کے باوجود لوگوں کی نفرت اور قتل ہونے کے اس مذہب کو جس کی وہ تعلیم دیتے تھے قبول کر لیا۔ وہ دنیاوی آرام و عزت کا وعدہ نہیں دلاتے تھے کہ جس سے لوگوں کو ان کا یقین کرنے کی ترغیب ہو بلکہ معاملہ بر عکس تھا۔ ان کے نزدیک یہ کافی نہ تھا۔ کہ ان کے خیالات کی برائے نام پیروی کی جائے بلکہ وہ انکسار اور پاکیزہ زندگی چاہتے تھے جسے قدرتاً سب لوگ ناپسند کرتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ یہ نیا مذہب بھی کسی کو (مرنے سے) نہیں بچا سکتا۔ اگرچہ ان کو خود اس بات سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور دوسروں کو بھی یہی تعلیم دی کہ ان کو بھی کسی فائدہ کی امید نہیں رکھنی چاہیے تاہم انھوں نے یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کا ایسا موثر طریقے سے یقین دلایا کہ یہ مسئلہ جس کا ان پڑھ ماہی گیر غریب بخار کے بیٹے کی نسبت وعظ کیا کرتے تھے۔ سلطنت روما کے زاویۂ خمول سے تمام سلطنت میں ان کی موت کے بعد بھی پھیل گیا۔ اور اس نے ہر ایک مذہب کو اگرچہ زمانہ ہائے دراز سے اس کو مانتے چلے آتے تھے اکھاڑ پھینکا۔

یسوع مسیح کے دوبارہ زندہ ہونے کے ثبوت میں ہمارے پاس ان لوگوں کی شہادت موجود ہے جو اس مسئلہ کے واعظ نہیں ہوئے، ان سپاہیوں نے جو قبر پر پہرے کے لیے مقرر کیے

گئے تھے اس واقعہ کو دیکھا اور (یہودی) عالموں سے اس بات کا تذکرہ کیا ۔ انہوں نے جسم کے غائب ہونے کی وجہ بتانے کے لیے جس کو سب تسلیم کرتے تھے ایک بے ہودہ حکایت کا گھڑ لینا ضروری سمجھا ۔ صرف عوام الناس کی شہادت جس کی ہر شخص خواہش کر سکتا ہے ہمارے پاس موجود نہیں ہے ۔ کہہ سکتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ یسوع نے عام طور پر سب لوگوں کے سامنے اور خصوصاً ان لوگوں کے سامنے جنھوں نے اس کو مصلوب کیا تھا اپنے تئیں ظاہر نہیں کیا ۔ اس کے مختلف وجوہات بیان کیے جا سکتے ہیں جو اس مسئلہ کی ماہیت سے جس کی وہ تلقین کرتے تھے اخذ کیے گئے ہیں ۔ ان وجوہات کا بیان کرنا اس وقت ناممکن ہے ۔ لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ اس شہادت کا موجود نہ ہونا اس واقعہ کی سچائی پر کوئی اثر نہیں ڈالتا ۔ اگرچہ بہت سے آدمیوں نے جو اس کو خوب اچھی طرح جانتے تھے اس کو دیکھا ، اس سے باتیں کیں اور اس کے ساتھ کئی موقعوں پر کھانا کھایا تو یہ سوال کرنا کہ کیا وجہ ہے اور لوگوں نے اس کو نہیں دیکھا در حقیقت ان کی شہادت کو متزلزل نہیں کر سکتا ۔ جہاں کہیں وہ ظاہر ہوا تمام لوگوں نے جو اس وقت وہاں موجود تھے اس کو دیکھا ۔ چناں‌چہ ایک موقعہ پر پانسو آدمیوں تک نے دیکھا ۔ پس ظاہر ہے کہ یہ ایک خیالی نہیں بلکہ واقعی بات تھی ۔ ایک شخص مسمی ٹامس نے کہا کہ جب تک کہ میں اس کے ہاتھوں میں میخوں کے اور پہلو میں برچھے کے سوراخوں کو اپنے ہاتھ ڈال کر نہ دیکھ لوں گا اس وقت تک یقین نہ کروں گا کہ وہ ہمارا پرانا دوست ہی ہے ۔ مگر اس کی بھی تسلی ہو گئی ۔ ہم نہایت سرگرمی کے ساتھ التجا کرتے ہیں کہ آپ ان واقعات پر

غور کریں اور اگر شہادت میں کچھ نقص ہو تو ہمیں بتائیں ورنہ اس بات کو تسلیم کریں کہ یسوع مسیح مردہ سے زندہ ہوا اور انجیل پر ایمان لائیں ۔

یسوع مسیح کے دوبارہ جی اٹھنے سے سب لوگوں کو اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ خدا نے ایک دن ایسا مقرر کیا ہے جب کہ وہ راستبازی میں دنیا کا انصاف کرے گا اس وقت تم اس کے سامنے کھڑے ہوگے اور تمھیں اپنے بد خیالات ، بد الفاظ اور بد اعمال کی جن کے تم مجرم ہوئے ہو جواب دہی کرنی پڑے گی ۔ کیا تم ایسا کرنے کے لیے تیار ہو ؟ کوئی متنفس نہیں ہے جو کہ تیار ہو لیکن جو شخص یسوع مسیح کو اپنا نجات دہندہ مانے گا اس کے تمام گناہ بخش دے جائیں گے ۔ کیوں کہ اس اعتقاد کے ساتھ ہی پاکی بھی عطا ہو جاتی ہے ۔ پس وہ اس خوف ناک دن کی جواب دہی کے لیے بھی تیار ہو جائے گا ۔

چوں کہ تم اپنی ابدی خوشی کی قدر کرتے ہو اس لیے ہم تم کو تاکید کرتے ہیں کہ اس بڑے مضمون کی آزمائش کرو اور خدا سے دعا کرو کہ وہ روح القدس کی تعلیم کے ذریعے سے تم کو ٹھیک طور پر اس کام کو کرنے کے قابل بنا دے ۔ اس بات پر تخلیہ میں غور کرو اور اس کی آزمائش کرو اور دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر بھی جن کے نام یہی چٹھی لکھی گئی ہے سوچو ۔ اور اپنی توجہ صرف اس ایک امر پر مبذول رکھو کہ آیا وہ لوگ اعتبار کے قابل ہیں یا نہیں ۔ جنھوں نے یہ کہا ہے کہ ہم نے یسوع مسیح کو مردہ سے زندہ ہونے کے بعد دیکھا ۔ اگر ایسا کرو گے تو تم کو تمام اصول شہادت سے اس بات کا یقین ہو جائے گا کہ یہ یسوع مسیح بے شک مر کر زندہ ہوا اور اس لیے انجیل سچی ہے اور یہی

ایک خدا کی طرف سے الہامی کتاب ہے - پس دلیر بنو اور کھلم کھلا ایمان لاؤ کیوں کہ یسوع نے خود کہا ہے "جو کوئی مجھ سے اور میرے لفظوں سے اس بدکاری اور گنہ‌گاری کی زندگی میں روگردانی کرے‌گا اس سے ابن آدم بھی جب وہ پاک فرشتوں کے ساتھ اپنے باپ کے جلال میں آئے گا روگردانی کرے‌گا" ہماری تمنا ہے کہ اس ملک میں گرجاؤں کو ہندوستانیوں سے بھرا ہوا دیکھیں جہاں نہ صرف غیر ملک کے لوگ بلکہ تمہارے ہم وطن بھی انجیل کی خوش خبری کی باقاعدہ طور سے منادی کریں - وہاں عورتوں اور مردوں کو بھی اپنے گناہوں سے توبہ کرنے اور اپنے خدا کی ملاقات کے لیے تیار ہونے کی تاکید کی جائے گی - وہاں بچوں کو اخلاق اور سچائی کی تعلیم دی جائے گی اور اس دنیا میں اپنے چال چلن کی درستی کرنے اور دوسری دنیا کے لائق بنانے کے واسطے پاکی اور نجات کے سبق پڑھائے جائیں گے اور وہاں یہ بھی بتایا جائے گا کہ موت اب ایسا دشمن نہیں رہا جس سے آئندہ ڈرنا چاہیے کیوں کہ ہمارے نجات دہندے یسوع مسیح نے اس کا ڈنک نکال دیا ہے اور اس کو نیست و نابود کر کے انجیل کے ذریعے زندگی اور حیات ابدی کو روشن کر دیا ہے - خدا ہی نے ہم کو یقین دلایا ہے کہ اب بھی یہی حال رہے گا - ہم اس وقت کے آنے کی خواہش کرتے ہیں جب کہ لوگ بخوبی اس کو سمجھ جائیں گے کیوں کہ اسی نسل میں یہ بات ہو؟ کیا یہ احمقانہ، ذلیل اور خراب بت پرستی کے مقابلے میں جس سے یہ زمین آلودہ ہو رہی ہے - بے حد ترقی نہیں ہوگی - ہم تم کو عقل‌مند سمجھ کر کہتے ہیں - جو کچھ ہم کہتے ہیں اس کو جانچ لو -

نقل اشتہار گورنمنٹ بنگال جس کا ذکر سر سید کے مضمون میں ہوا ہے

دریں نزدیکی بسمع مبارک نواب معلیٰ القاب لفٹننٹ گورنر بہادر بنگال چناں رسیدہ کہ بعضے اشخاص از راہ تعصب و نادانیٔ محض برائے حیرانی و پریشانی جمہور خلائق چند سخنان بے اصل و نالائق متعلق بہ مذہب و ملت و رسم و طریقتِ ہنود و مسلمانان چناں مشہور و اعلان کردہ اند کہ باستماع خطراتِ پُر خطر در دل مردمان جا کردہ جناب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر را بسیار حیرت و حسرت است کہ سکنۂ ایں ملک حقیقت حال را دریافت نہ کردہ صرف بافسادِ مفسدان چرا خود را زیر بار تشویش مے کنند لا جرم بذریعہ اشتہار عام حقیقت نفس الامری اختراعات کہ بہ گوش حقیقت نیوش نواب محتشم الیہ در آمدہ مشتہر کردہ مے شود تا کافۂ انام بر حقیقتِ حال وارسند و بہ یقین معلوم نمایند کہ سرکار بہادر را نوعے در ملت و مذہب و طریق و رسم و راہ رعایا مداخلت و مزاحمت نیست و آیندہ را نیز نہ خواہد بود بلکہ حفاظت جان و مال و عزت و حرمت ایشان پیش نہادست و مساعیٔ جمیلہ دریں بابُ بہ کار مے آید و آمدنی ست ۔

اول ایں کہ بعضے پادریان کلکتہ بہ طریق طریقہ و وظیفہ معمولی خود افرادِ سوال دربارہ مذہب و ملت بہ طریق مناظرہ و مباحثہ چاپ کردہ ملفوف بہ لفافہا عموماً پیش ہندوستانیاں فرستادہ آن ہا از غلط فہمی خود انگاشتند کہ آنچناں مضامین باشارۂ سرکار ابد پایدار بظہور رسیدہ حالاں کہ سرکار بہادر را ازاں ہیچ گونہ اطلاعے و آگاہی نیست و نیز ہرگز و ہر آینہ شان سرکار عالی اقتدار چناں نبودہ کہ

ترغیب و تحریص کسے از رعایا بسوئے ملت و دین خود فرماید چه ظاهر ست که رعایائے این ملک هر قسم مردم اند و ملت و مذهب و کیش و آئین جداگانه میدارند و رقبهٔ ایشان تحت رقبهٔ اقتدار سرکار والا اقتدار ست و نظر لطف و کرم بر حال آنها مساوی و یکسان ست باوجود امتداد ملت سلطنت سرکار ابد پائدار هیچ وقتے مزاحمت و تعرض کیش و ملت کدامی اهل اسلام و دیگر مذهب بعمل نیامده و پادری صاحبان این قسم امور از طرف خود اجرا میکنند و این همه گویا لوازمهٔ عادات معمولی شان ست چنانکه مسلمانان و هنودان در مساجد و معابد وعظ و نصائح میکنند و اظهار و ابراز امورات شرعی و ترغیب و اجتناب از نواحی میسازند و اگر تامل کرده شود صاف واضح شود و این معنی سخنے نو و امرے جدید نیست بلکه طریق مناظره و مباحثه درمیان علمائے مختلف المذاهب همواره جاری ست و از همچو امورات سرکار بهادر را هیچ علاقه نیست ۔

دوم ۔ این که در بعض اخبار ، اخبار کرده و در عوام نیز شهرت یافته است که بالفعل از طرف سرکار آن چنان قوانین جاری شدنی ست که ازان رسم تعزیه داری و مراسم ختنه و پرده نشینئ زنانِ شرفا وغیره احکامات شرع و شاستر برافتد و یکسر موقوف گردد حالانکه این هم غلط امت و افترائے محض ۔ سرکار بهادر را در راه و رسم و کیش و مذهب کدامی کس دست اندازی منظور نیست بلکه این معنی برخلاف طریقهٔ رعیت پروری که سجیه مرضیهٔ سرکار بهادر ست بوده است ۔

سوم ۔ این که صاحب سپرنٹنڈنٹ جیل خانه بعضے اضلاع بلا اطلاع و واقفیت سرکار والا اقتدار حکم ستیده گرفتن ظروف

اکل و شرب از قیدیان عیال و تصور تفرقه و امتیاز در مصائب قید و راحت خانه صادر کرده بود لیکن سرکار بهادر را معلوم گردید که این امر نقصانے است در مذهب آنان و از لا علمی مهتمم جیل خانه آن چنان حکم صادر گردیده علی الفور بسبیل ڈاک برق حکم محکم موقوفی آن صادر گشت ۔

چهارم ۔ این که بسمع معدلت مجتمع در آمد که سکنۂ این مملکت بنائے اسکول و اسبابِ علوم و تحصیل فنون و ترویج زبان انگریزی را اسباب تبدیل ملت و تخریب بنائے دین و مذهب می پندارند و ازین جاست که بسے از مردمان در تحصیل علم و تکمیل فنون تعلّل و تهادن می کنند و بعض اشخاص بفرستادن اطفال در اسکول مضائقه می دارند ظاهرا منشائے آن جز نا فهمی و بے دانشی نیست و الا اصل این مست که هرگاه بحضور سرکار والا اقتدار متحقق گردید که رعایائے این مملکت به سبب بے علمی و بے هنری از طریقۂ کسب معاش چنان بے خبر اند که از اوقات گزاریٔ خود ها با راحت و آسائش معذور اند لا جرم بحکم والائے جناب ملکه انگلستان که از راه تفضلات خسروانه صد و ریافت برائے تعلیم و تربیت آنها باهتمام تمام و صرف مالا کلام در هر یک اضلاع و امصار مدارس سکول و کالج بنا گردید و در هر ضلع صاحبان بعهدۂ انسپکٹر و به نیابت شان متعدد هندوستانی برائے طریقۂ تربیت معین گشتند و برائے درس و تدریس و تعلیم کسب و علوم و فنون زبان انگریزی وغیره آن تاکید مزید شد تا باشندگان این ملک عموماً از جهل و بے دانشی وا رفته به تحصیل علم و دانش به خوبی تحصیل معاش نمایند و از تنگنائے تنگی و عسرت بر آمده با مسرت و عشرت صرف اوقات خود ها نمایند ۔

مخفی نیست که باشندگان ملک یوروپ (یعنی ولایت انگلشیه) باعث تحصیل علوم هر گونه امورات را از رسائی عقل رسائے خود به خوبیهائے تمام انجام می دهند ـ به خلاف اهالی این دیار که باعث بے علمی و بے دانشی بے سلیقه محض اند ـ اگر علم و هنر و فهم و دانش در اینان شائع گردد هر یکے لوازمهٔ آسائش و آرام را جامع شود و تشریف شاهی را کماهی نه دریافتن و نیکی را بجائے خود حمل نه کردن چه قدر افسوس و حسرت است که بشرح نمی آید جناب لفٹننٹ گورنر بهادر چنان قیاس می فرمایند که بنائے این همه خیالات فاسده براه غلط فهمی ست نه از روئے تعصب و بد باطنی ـ باید دانست که غرض سرکار به تربیت و تعلیم انگریزی آن نیست که حرفے بر دین و آئین شان در آید بلکه هر کس مجازست که علم و هنر که مرغوب و مطبوع باشد و باعث فائده دانند به تحصیل آن پردازد مگر این هم دانستنی ست که بالفعل به زبان انگریزی کتب و رسائل هر فن موجود ست و همیشه تجربهائے متعدد و اختراعات نو به نو بر روئے کار می آیند که بزبان دیگر حاصل نیست و زبان انگریزی زبان والئی ملک و صاحب سلطنت ست و در عدالت ها باعث افهام و تفهیم عوام زبان مروجه این ملک جاری ست درین صورت تحصیل و تکمیل زبان انگریزی و اردو و بنگله از برائے حصول معاش و ترقیات حرمت و عزت و اقبال بلاشک ست و از واجبات است ـ

مخفی مباد که از آوانے که نواب معلّی القاب لفٹننٹ گورنر بهادر احوال این دیار را به چشم خود دیده و از اکثر اشخاص شنیده همت والا نهمت محتشم الیه به فکر و درستی اوضاع باشندگان این ملک و به ایجاد طریق تعلیم و تربیت و آرام و آسائش در

حفظ عزت و حرمت هر یک عموماً مصروف ست و از غایت مہربانی و دل سوزی اصلاح حال شرفا و نجبا و زمینداراں و رعایا خصوصاً مد نظر ست ۔

لہٰذا اشتہار دادہ می آید کہ ہمگنان سکنۂ ایں ملک بر نیک نیتی و بلند ہمتی سرکار والا اقتدار واقف و مطلع بودہ شکر خدا بجا آرند و باطمینانِ تمام اوقات خود ہا بسر کردہ بہ دعائے دوامِ دولتِ ابد مدت سرکارِ دولت مدار مصروف باشند ۔

ڈاکٹر ہنٹر کی غلط فہمیوں کا ازالہ

۱۸۵۷ء کے قیامت خیز ہنگامہ کے ۱۴ برس بعد ۱۸۷۱ء میں بنگال کے ایک معزز سرکاری افسر ولیم ہنٹر آئی - سی - ایس نے مسلمانوں کے خلاف انگریز حکمرانوں کے دلوں میں نفرت اور حقارت پیدا کرنے کے لیے انگریزی میں ایک کتاب Our Indian Musalmans (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کے نام سے لکھی جس کا موضوع یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان انگریزوں سے لڑنا اور اُن پر جہاد کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں - نیز بغاوت اور وہابیت مترادف الفاظ ہیں۔جو وہابی ہوگا وہ ضرور باغی ہوگا (اُس وقت ہندوستان میں وہابیت کا بڑا زور شور تھا) سرسید نے جب یہ کتاب دیکھی تو اُن کا حساس دل تڑپ اُٹھا اور باوجود گوناگوں سخت مصروفیتوں کے اُنھوں نے اس اشتعال انگیز کتاب کا نہایت مدلل اور محققانہ جواب لکھا - سرسید کا یہ مقالہ پہلے انگریزوں کے مشہور روزنامہ "پانیر" الہ آباد میں چھپا - پھر سرسید نے اسے انگریزی اور اُردو دونوں زبانوں میں اپنے اخبار علی گڑھ سائنٹفک سوسائٹی میں ۲۴ نومبر ۱۸۷۱ء سے ۲۳ فروری ۱۸۷۲ء تک کے پرچوں میں

بالا قساط شائع کیا ۔ اس مدلل جواب سے معقول پسند انگریزوں کا غصہ اور تعصب مسلمانوں کے برخلاف بہت حد تک کم ہوگیا ۔ (شیخ محمد اسماعیل پانی پتی)

آج کل علی العموم سب لوگوں کی توجہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دلی خیالات کی جانب مائل ہو رہی ہے اور اس توجہ کی تین باتیں زیادہ باعث ہیں ۔ ایک تو وہابیوں کے مقدمات اور دوسرے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی وہ کتاب جو انھوں نے ہندوستان کے مسلمانوں کی بابت لکھی ہے اور تیسرے مسٹر نارمن صاحب چیف جسٹس کا قتل۔۔۔ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب (ہمارے ہندوستانی مسلمان) کا ہندوستان کے لوگوں میں بہت چرچا ہے اور تمام فرقوں کے لوگ اس کو نہایت شوق اور توجہ سے دیکھتے ہیں ۔ چناں چہ میں نے بھی اس امید سے اس کتاب کو پڑھنا شروع کیا کہ شاید اس کتاب کے سبب سے اس پیچیدہ معاملے میں جو عوام کے نزدیک ایک دقیق بات ہے مجھ کو کچھ روشنی حاصل ہو کیوں کہ میں نے یہ بات سنی تھی کہ اس کتاب کا مصنف مسلمانوں کا بڑا دوست اور نہایت بڑا لائق عالم ہے ۔ پس کوئی شخص اور خصوصاً کوئی مسلمان ایسا نہ ہوگا کہ جو اس لائق مصنف کی اس تصنیف کو دیکھ کر اس کی علمی لیاقت کا اقرار نہ کرے گا اور اس کے طرز بیان کو مکالی صاحب کے طرز بیان کے موافق نہ خیال کرے گا ۔ مگر ہماری دانست میں ایک ایسے مصنف کے واسطے جو ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں کی اطلاع کے واسطے ایک کتاب تصنیف کرے صرف علمی لیاقت ہی کافی نہیں بلکہ اس پر اس امر کی احتیاط بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مضامین کو مضرت آمیز خیالات سے نہ رنگے اور جو قدر و منزلت ایک تاریخی کتاب کی ہونی

چاهیے اس کا لحاظ کرے ۔ میرے علم و یقین کے موافق هندوستان
کے بہت سے حاکم اس بات پر مطمئن هین که انگریزی علم ،
ان کی کتابین اور اخبار دونوں کا اثر هندوستانی لوگوں کے دل
تک نہین پہنچتا ۔ پس عام معاملات مین تو لاکھوں آدمیوں کی
نسبت یه یقین صحیح ہے مگر خاص خاص معاملات مین جیسے که
مثلاً انگریزوں کی طبیعت کی جو کیفیت هندوستانیوں کی نسبت
ہے یا جو معاملات مذهب سے متعلق هین یا محصول وغیره سے
متعلق هیں ان حکام کا یه یقین بالکل صحیح نہین ہے کیوں که
هندوستانی لوگ ایسے معاملات تو نہایت غور و فکر کے ساتھ
دیکھتے هیں اور جن مضامین مین ان کی برائی اور ذلت هو یا جن
باتوں سے ان کے خیالات کی غلط کیفیت معلوم هوتی هو ایسے
مضامین کا ان کے دلوں پر یقین هو جاتا ہے اور انجام کار اُن سے
بد نتیجه نکلتا ہے اور گو ایسی باتوں کو عام لوگ خود نہین
پڑھ سکتے مگر پڑھے لکھے لوگوں سے اُن کو سن ضرور لیتے هین
اور جب سن سنا کر آپس مین اس کا ذکر کیا جاتا ہے تو پھر
بہت مبالغه کے ساتھ اس بات کو بڑھا دیتے هین اور اسی صورت سے
بہت سے لوگ مذهبی معاملات وغیره پر نہایت شوق و رغبت سے
رائے دیتے هین ۔

جو بات کسی کتاب یا اخبار مین لکھی جاتی ہے اس کو
عوام الناس تمام انگریزی قوم کے خواه وه ملازم سرکار هو یا نه
هو ادنیٰ محرر سے لے کر صاحب گورنر جنرل بہادر با جلاس
کونسل تک کی بلکه خاص ملکه معظمه کی رائے سے سمجھتے هین
اور جب یه حالت ہے تو اهل تصنیف پر یه بات واجب ہے که
جب وه کسی بڑے معاملے کو بیان کریں تو اول اس کی اصلی
کیفیت کو نہایت درجه کی احتیاط اور تحقیق سے دریافت کر لیا

کریں اور بعد دریافت کے بھی وہ ایسے معاملات میں اہل تصنیف کے سے مبالغے یا اور قسم کی غلط بیانی کو کام نہ فرمایا کریں - بھلا جب ہم یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ ایک ایسے افسر نے جو نہایت عالی رتبہ عہدہ پر ممتاز ہے اور جس پر سرکار کی بھی نظر مہربانی ہے ایسی باتیں اور غلط خیال مسلمانوں کی نسبت بیان کیے جیسے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب میں لکھے گئے ہیں تو ہم مسلمان خواہ مخواہ بھی سمجھیں گے کہ شاید تمام انگریز ڈاکٹر صاحب کی رائے سے متفق ہوں گے - مجھ کو ڈاکٹر صاحب کی کتاب سے بہت بڑی باتوں کی توقع تھی - لیکن بڑا افسوس ہے کہ میری توقع بھی اور بہت سے آدمیوں کی طرح مایوسی سے بدل گئی اور گو ڈاکٹر صاحب مسلمانوں کے بڑے دوست ہیں لیکن اُن کی اس آخیر دوستی نے جو ان کی اس پچھلی کتاب سے ظاہر ہوتی ہے ہم لوگوں کو بڑا نقصان پہنچایا اور جب میں نے اس کتاب کو پڑھا تو برملا میں نے کہا کہ خدا مجھ کو میرے ایسے دوستوں سے بچائے - جو محبت اور مہربانی اس تمام کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے مسلمانوں کے ساتھ کی ہے بلاشبہ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور اس محبت کے عوض میں مصنف کا دلی شکریہ ادا کرتا ہوں - لیکن اس شکریہ کے ساتھ اس بات کا افسوس بھی کرتا ہوں کہ جس طریقے سے اس عالی دماغ مصنف نے اپنی کتاب لکھی ہے اُس طریقے سے اُس نے اپنے تمام نیک ارادوں کو باطل کر دیا ہے اور اُن سے اپنے قلم کی طاقت سے اس طرح پر کام لیا ہے جن سے انگریزوں کے دلوں میں مسلمانوں کی نسبت (جو پہلے ہی سے کچھ عزیز نہیں تھے) اور بھی زیادہ کاوش پیدا ہو -

ڈاکٹر ہنٹر صاحب لکھتے ہیں کہ میری اس کتاب کے

مطالب صرف بنگالے کے مسلمانوں سے متعلق ہیں کیوں کہ میں
صرف انہیں سے واقف ہوں مگر جو شخص اس کتاب کو دیکھے گا
وہ اس کے بہت سے فقروں سے اس بات کا یقین کرے گا کہ مصنف
مذکور نے کچھ خاص بنگالے کے مسلمانوں ہی کے حالات میں
اپنی کتاب کو محدود نہیں کیا بلکہ اُس نے تمام ہندوستان کے
مسلمانوں کو شامل کر لیا ہے ۔ چناں چہ اِس کتاب کا عنوان ہی
ہمارے اس بیان کا شاہد ہے ۔ وہ عنوان یہ ہے :

"ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں پر کیا از روئے ایمان
کے ملکہ معظمہ سے بغاوت کرنا فرض ہے ؟" ۔

علاوہ اس کے ان کتاب کے صفحہ گیارہ میں یہ فقرہ لکھا
ہے کہ :

"یہ مباحثے ایسے ہیں جن سے یہ بات معلوم ہو جائے
کہ تمام مسلمان اپنے بغاوت سکھانے والے پیشواؤں کی
زہر آمیز نصیحتوں کو نہایت شوق و ذوق سے سنتے
ہیں اور ایسے آدمی بہت تھوڑے ہیں جو اپنی تیزی
طبیعت سے اپنی شرع کا مطلب اور کچھ ٹھہرا کر
بغاوت کے بڑے فرض سے بچ جاتے ہیں ۔"

بعد اُس کے اسی صفحہ میں یہ لکھا ہے کہ :

"ہندوستان کے مسلمان اب بھی ہندوستان میں گورنمنٹ
انگریزی کے لیے موجب خطر ہیں جیسے کہ ایک
مدت سے موجب خطر چلے آئے ہیں ۔"

پس گو مصنف مذکور صرف بنگالے کے مسلمانوں کی کیفیت سے
واقف ہے مگر کیفیت وہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی بیان
کرتا ہے ۔ پس چوں کہ میں ہندوستان کا ایک سیاح اور واقف کار
باشندہ ہوں اس لیے مجھ کو چاہیے کہ میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی

مخالفت اور اپنے هم وطنوں کی طرف داری میں اپنی زبان کھولوں.
اور گو میں خوب جانتا هوں که جو کام میں نے شروع کیا هے
اس میں مجھ کو نہایت سخت دقت پیش آئے گی اور وہ دقت
ایسی هی هوگی جیسے که اس حالت میں ایک قوم کے کسی
معاملے کے موئیدوں کو پیش آیا کرتی هے جب که اس قوم کی
نسبت کسی غیر قوم کے آدمی نے بلا تحقیق کے ایک رائے قائم
کر دی هو - اب میں بشپ آف منچسٹر کے ان لفظوں کے ساتھ
جو انھوں نے مقام ناٹنگھم میں ماہ گزشته میں فرمائے تھے
یه بات کہنا چاهتا هوں که میری تحریر پر بلا کسی رو رعایت
کے انصاف کے ساتھ توجه کی جائے اور وہ الفاظ یه هیں :-

"جس شخص کا عقیده درست هے وہ سب کچھ کر سکتا
هے اور جس شخص کا عقیده سچا هوگا اس کے چال چلن
میں هرگز کمی نه هوگی -"

چون که میرا بھی عقیده اس بات میں درست هے میں جو
لکھنا چاهتا هوں اس سبب سے میں امید کرتا هوں که میں سب
لوگوں کے دل پر اس بات کو منقش کر دوں گا که جو چیز
چمکے وہ سب سونا هی نہیں هوتا اور جس بات کا ڈاکٹر
هنٹر صاحب یقین دلانا چاهتے هیں وہ سب سچ هی نہیں هے -

چون که ڈاکٹر هنٹر صاحب نے وهابیت اور گورنمنٹ
انگریزی سے بغاوت کرنے کو ایک هی بات بیان کی هے - لہٰذا
اول میں اسی امر کی نسبت گفتگو کرتا هوں تاکه معلوم هو که
اس عالم ڈاکٹر نے هندوستانیوں کی اطلاع کے واسطے وهابیت کے
کیا معنے بیان کیے هیں - بعد اس کے میں جهاد کے مسئله پر
غور کروں گا -

میری دانست میں تمام دنیا کے باشندوں نے شاید وهابیت کے

اصلی معنی کو بہت ہی کم سمجھا ہے اور اس کی اصلیت کو اس طرح پر بیان کرنا کہ وہ عوام کی سمجھ میں بھی بہ خوبی آ جاوے نہایت مشکل ہے ۔ میری دانست میں جو نسبت مذہب پراٹسٹنٹ والے کو رومن کیتھولک کے ساتھ ہے وہی نسبت ایک وہابی کو اسلام کے اور فرقوں کے ساتھ ہے ۔ سابق میں وہابیت کی بابت ایک کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا تھا اور ۱۸۵۲ء میں وہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ کی تیرھویں جلد میں چھپا تھا ، چناں چہ اس رسالہ میں عقائد وہابیت کی نہایت صحیح تشریح کی گئی مگر ڈاکٹر هنٹر صاحب ۔ آن کا اختصار کر کے سات مسئلے حسب تفصیل ذیل بیان کیے ہیں :

اول ۔ ایک صانع کی ذات ماننا ۔

دوم ۔ انسان اور اس کے پیدا کرنے والے کے درمیان شفاعت کے کسی ذریعہ کو مطلقاً تسلیم نہ کرنا اور اولیاؤں سے استعانت اور امداد طلب کرنے کو برا سمجھنا بلکہ خاص حضرت رسول اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا معتقد نہ ہونا ۔

سوم ۔ مسلمانوں کی شریعت کے معنی کو خاص اپنی رائے سے تعبیر کرنے کا استحقاق رکھنا اور متقدمین و مجتہدین کے اقوال کو اور قرآن مجید کی اس تفسیر کو صحیح نہ سمجھنا جو متقدمین کی ہے ۔

چہارم ۔ جو زیادتی اس زمانہ کے مسلمانوں یا اوسط زمانہ کے مسلمانوں نے سچی شرع میں اپنی رائے کی کی ہے اس کو ناجائز سمجھنا ۔

پنجم ۔ ہمیشہ امام مہدی کے ظہور کا منتظر رہنا جو کافروں پر سچے مسلمانوں کو فتح یاب کریں گے ۔

ششم - اعتقاد اور عمل دونوں میں تمام کفار پر جہاد کرنے کے فرض کو تسلیم کرنا۔

ہفتم - مرشد کی کامل اطاعت کرنا۔

اول تو ان مسئلوں میں مطلقاً چند غلطیاں ہیں اور خصوصاً دوسرے مسئلہ کے اخیر جزو کی عبارت ایسی مشتبہ ہے کہ اس سے معنے صاف صاف نہیں معلوم ہوتے حالاں کہ اس مسئلہ کی تعبیر اس طرح پر ہونی چاہیے :

"اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بجز ایک خدا کے بھیجے ہوئے اور صاحب الوحی آدمی کے اور کچھ نہ سمجھنا اور بارگاہ خداوندی کے روبرو ولیوں یا پیغمبروں بلکہ خاص حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت شفاعت کا معتقد نہ ہونا۔"

تیسرے مسئلہ کی عبارت بھی مشتبہ ہے اور میں اس میں یہ ترمیم کرتا ہوں :

"ہر ایک شخص کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی عقل کے موافق قرآن کے معنی کو بیان کرے اور جو تشریح اس کی کسی پہلے مجتہد نے کی ہے اس پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا اپنا فرض نہ سمجھے۔"

پانچواں مسئلہ بالکل مشتبہ ہے اور اس کے اصلی معنی بہت کچھ بدل گئے ہیں - مگر یہ مسئلہ مسلمانوں کا ایسا ہی ہے جیسا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں ہے - یعنی یہودی حضرت موسیٰ[۱] علیہ السلام کی پیدائش کے اور عیسائی دوسری بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدا ہونے کے معتقد ہیں - اسی طرح پر مسلمان یقین کرتے ہیں کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ[۱][۴] کے

دوسری مرتبہ دنیا میں آنے سے پہلے ایک امام زمین پر سچے مسلمانوں کو فتح یاب کرنے کے واسطے پیدا ہوں گے مگر بہت سے مسلمان اس پر یقین نہیں کرتے ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ یہ قصہ یہودیوں کی ایجاد ہے جو مسلمانوں کے مذہب میں داخل ہوگیا ہے ۔ پس گو اس کی اصل حقیقت کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن بہر کیف یہ ظاہر ہے کہ ڈاکٹر هنٹر صاحب نے اس کے اصلی مطلب کو بدل دیا ہے اور اس زمانہ کے وہابیوں کی نسبت یہ بیان کیا ہے کہ ان کو انگریزوں پر فتح یاب ہونے کے لیئے اس زمانہ میں ایک امام کے پیدا ہونے کی توقع ہے ۔

چھٹے مسئلہ میں بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے کچھ تصرف کیا ہے ۔ حالاں کہ اگر وہ یہ الفاظ اور زیادہ کر دیتے کہ :

”بشرطیکہ جو مسلمان جہاد کرنا چاہیں وہ ان کافروں کی رعایا نہ ہوں جن پر جہاد کیا چاہتے ہوں اور امن و امان کے ساتھ رہتے ہوں اور اُن کے حق میں تشدد نہ کیا جاتا ہو اور انہوں نے اپنا اسباب اور بال بچے ایسے کافروں کی حفاظت میں نہ چھوڑے ہوں اور ان کے اور ان کافروں کے درمیان کسی قسم کا عہد و پیمان نہ ہو اور مسلمانوں کو اپنی طاقت پر فتح یابی کا بھروسا ہو ۔“

تو جو معنی انہوں نے اس مسئلہ کے بیان کیے ہیں وہ صحیح ہوتے ۔ لیکن چوں کہ ان کا دلی مقصد یہ ہے کہ وہ وہابیوں کے مسئلوں کو اس طرح پر بیان کریں جس سے نہایت سختی ظاہر ہو اس وجہ سے انہوں نے دانش مندی کے ساتھ ان سب باتوں کا بیان فروگزاشت کر دیا ہے ۔ میں نہیں سمجھتا کہ مرشد کے لفظ سے جو ساتویں مسئلہ میں بیان ہوا ہے مصنف

موصوف کی کیا مراد ہے ۔ اگر اس سے ان کی مراد ایمان کے رہنما سے ہے تو یہ ان کی غلطی ہے کیوں کہ تیسرے مسئلہ کے بموجب اُن پر بلا سوچ سمجھے کسی مرشد کی اطاعت کرنا فرض نہیں ہے اور اگر اُن کی مراد اس سے بادشاہ مذہب اسلام سے ہے تو اُن کا بیان صحیح ہے ۔ مگر صاحب موصوف ایک بات کا بیان کرنا بھول گئے ہیں ۔ وہ یہ ہے کہ جب تک کوئی کافر بادشاہ مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی نہ کرے اس وقت تک اُن پر اس کافر کی بھی اطاعت کرنا فرض ہے ۔ اب میں اس مضمون کے پڑھنے والوں کی خدمت میں یہ درخواست کرتا ہوں کہ جو مطلب میں نے ان مسائل کا بیان کیا ہے ذرا وہ اس کو یاد رکھیں ۔ کیوں کہ جو معنی ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بیان کیے ہیں وہ مشتبہ ہیں اور ان سے دھوکے کا گمان ہے ۔

اب میں یہاں سے وہابیت کی اصلیت بیان کرتا ہوں کہ سابق میں اس وہابیت کا کیا نام تھا اور یہ نام اس کا کس وقت رکھا گیا ہے اور اس کی کیا وجہ تھی ؟

ڈاکٹر ہنٹر صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۵۷ میں تحریر فرماتے ہیں کہ وہابیت ایک ایسا طریقہ ہے جس کی رو سے مذہب اسلام ایک خالص توحید کی صورت ہو جاتا ہے ۔ یہ بالکل صحیح ہے ، لیکن اس موقعہ پر میں یہ بات کہتا ہوں کہ قبل اس سے کہ حال کے زمانہ کی مسلمانوں نے مذہب اسلام میں نئی باتیں اور اختراعی رسمیں ایجاد کیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی اسلام کی بعینہ یہی صورت تھی ۔ مذہب اسلام ابتداء میں بہت سے برسوں تک ایک ایسا مذہب رہا جس کا منشا صرف ذات باری کی پرستش تھی ۔ مگر سن ہجری کی دوسری صدی میں جب کہ اس کے اصول کی نسبت

علماء کے خیالات قلم بند ہوئے تو اس کے چار فرقے قائم کیے گئے یعنی حنفی و شافعی و مالکی و حنبلی اور کچھ عرصہ تک مسلمانوں کو یہ اختیار حاصل رہا کہ ان فرقوں میں سے جس کسی کے مسئلہ کو چاہیں پسند کریں اور اس کی پیروی کریں - لیکن جب بنی امیہ اور بنی عباس بادشاہ ہوئے تو انہوں نے ایک حکم تمام مسلمانوں کے نام اس مضمون کا جاری کیا کہ وہ ان چار فرقوں میں سے کسی ایک فرقہ کے تمام مسئلوں کو قبول کر لیں - چناں چہ بعد اس حکم کے جو لوگ اس کے خلاف کرتے تھے ان کو سزا دی جاتی تھی - چناں چہ اسی جبری حکم کے باعث سے آزادانہ رائے کا اظہار مسدود ہوگیا اور مذہبی دست اندازی کا بڑا زور شور ہوا - مگر اس وقت میں بھی بہت سے آدمی ایسے تھے جو خفیہ اصلی مذہب کے پابند تھے اور ظاہر ان کی یہ جرأت نہ تھی کہ سوائے چند معتمد آدمیوں کے کسی سے اپنی رائے کا اظہار کریں اور ایسے لوگ اس زمانہ میں اہل حدیث کہلاتے تھے جو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے معتقد تھے اور مندرجہ بالا چاروں فرقوں کے مسئلوں کے پابند نہ تھے - پس رفتہ رفتہ حکم مذکور الصدر اور زیادہ تشدد کے ساتھ جاری کیا گیا - یہاں تک کہ آخرکار وہ بہت سے مسلمانوں کے مذہب کا ایک بڑا اصول ہوگیا اور پھر اہل حدیث سے بھی عوام الناس رفتہ رفتہ عداوت کرنے لگے اور اصول شرع میں سچے مسلمانوں کے نزدیک وہ قابل ملامت قرار دیے گئے - غرض کہ ۱۷۰۰ء کے شروع تک تمام مسلمانوں کی یہی حالت رہی - اس کے بعد عرب میں ایک ملکی لڑائی برپا ہوئی - چناں چہ عبدالوہاب بادشاہ نجد کے بیٹے نے اپنے مخالفوں کو شکست دی اور خاص اپنے پیدا کیے ہوئے تخت پر بیٹھا - مگر اس کا عقیدہ وہی تھا جو

اهل حدیث کا تھا اور چوں کہ وہ اپنے عہد میں سب سے زیادہ قوت رکھتا تھا ، لہٰذا اس نے علانیہ اصلی مذہب کے عقائد کی ہدایت کی اور جہاں تک ہو سکا ان کو جاری کیا اس کی وفات کے بعد اسی کے عقیدہ کا ایک اور بادشاہ تخت نشین ہوا جس نے اپنے جلوس کے بعد بہت جلد مکہ معظمہ کی زیارت کی تیاری کی لیکن جس وقت اس نے مکہ معظمہ کے شریف سے اپنے عقیدہ کے بموجب زیارت کرنے کی اجازت چاہی تو اس نے اس کی درخواست کو قبول نہ کیا ۔ اس وقت اس بادشاہ نے کہا کہ کسی شخص کو یہ استحقاق حاصل نہیں ہے کہ مجھ کو مکہ میں جانے سے روکے ۔ چناں چہ وہ اندر گھس گیا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ دونوں کو فتح کر لیا ۔ بعد اس کے اس نے ان تمام دستوروں اور رسموں کو موقوف کیا جو خالص مذہب اسلام میں لوگوں کی طرف سے داخل ہوگئی تھیں اور جو چار نشان اس درگاہ مقدس کے اندر گویا ان چاروں فرقوں کے پیرووٗں کے واسطے بنائے گئے تھے ان کو اور بعض اولیاء اللہ کی قبروں کو جن کو بہت لوگ بمنزلہ بت کے پوجتے تھے توڑ ڈالا ۔ پھر چند روز بعد اس بادشاہ کو محمد علی پاشا مصر نے شکست دی جس کے سبب سے وہ مجبور ہوکر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے چلا گیا ۔ پس جاہل مسلمانوں کو ان زیادتیوں سے (جیسا کہ وہ اپنی رائے میں سمجھتے تھے) جو اہل حدیث نے کی تھیں نہایت رنج ہوا جس کے سبب سے جاہل قوم ترک اور عبدالوہاب کے معتقدوں کے درمیان ایک سخت عداوت پیدا ہوگئی ۔ پس اس زمانہ سے عبدالوہاب کے پیرو بجائے اہل حدیث کے وہابی کہلانے لگے ۔

یہودیوں نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معتقدوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا تھا جن کو وہ نصرانی کہتے تھے اور

هندوستان میں اهل اسلام کی حکومت میں قوم ترک اور وہ پٹھان بادشاہ جو حنفی فرقه میں سے تھے اور مذهبی تحمل کے بالکل مخالف تھے اور قوم مغل کے بادشاهوں کے عہد میں بجز اکبر کے عہد کے پچھلے زمانه کی یہی حالت رهی - اس سبب سے اس زمانه میں اهل حدیث کے پیرو یعنی وهابی بغیر اندیشه کے اپنے مسئلوں کی هدایت نہیں کر سکتے تھے - البته اب حکومت انگریزی کے قائم هونے کے بعد انگریزوں کے اس اصول کے باعث سے که وہ کسی کے مذهب میں مطلق دست اندازی نہیں کرتے هیں اهل حدیث کے پیرو پھر خبردار هوئے اور انهوں نے علانیه اور بلا خوف و خطر وعظ کہنے شروع کیے - پس هندوستان کے مسلمان بھی ان سے ایسی هی دلی عداوت رکھنے لگے جیسے که ترک ، عرب کے اهل حدیث سے عداوت رکھتے تھے اور وہ بھی ان کو وهابی سمجھتے تھے - وهابیت کی یه تاریخ هے جو صدر میں بیان کی گئی جس سے ڈاکٹر هنٹر صاحب اس قدر خائف هیں -

صفحه ۲۲ کے حاشیه میں ڈاکٹر هنٹر صاحب فرماتے هیں که لفظ وهابیت حال کے زمانه کا هے اور یه فرقه اول غازی یا جهادی کہلاتا تھا - حالاں که صاحب موصوف کی یه محض غلطی هے - غازی یا جهادی وہ شخص هوتے هیں جو بلا تخصیص کسی قوم و فرقه کے ایک مذهبی لڑائی میں شریک هو جاتے هیں - سابق میں تمام فرقوں میں جهادی هو چکے هیں اور اب بھی موجود هیں - پس تمام وهابیوں کو علی العموم جهادی کہنا بالکل غلطی هے - جو مذهبی لڑائی یروشلم یعنی بیت المقدس میں هوئی تھی اس میں عیسائی بھی جهادی تھے -

اب میں اپنے اگلے مضمون میں سرحد کی ان قوموں کا مذهب اور عقیده بیان کروں گا جن میں ڈاکٹر هنٹر صاحب باغیوں کا

لشکر قائم کرتے ھیں -

ھندوستان کے گوشہ شمال و مغرب کی سرحد پر جو پہاڑی قومیں رھتی ھیں وہ سنی المذھب حنفی قومیں ھیں اور اور لوگ اُن کے ھم مذھب جس قدر ھندوستان میں رھتے ھیں اُن سب میں وہ قومیں اپنے مذھب کی زیادہ پابند ھیں اور جس طرح پر ان قوموں کو اپنے مخالف مذھب مسلمانوں کے تین فرقوں سے عداوت ھے اس قدر اور باقی ماندہ فرقوں کو اپنے مخالفوں سے عداوت نہیں ھے - چنان چہ یہ قوم اپنے مذھب مین اس قدر سخت ھے کہ اگر کوئی اور شخص اُن کے ملک میں جاوے تو جب تک وہ اپنے مذھبی عقائد کو مثل اُن کے نہ کرے اُس وقت تک وھاں اُس کی جان و مال کی خیر نہین ھوتی - چند سال کا عرصہ ھوا کہ ایک میرے دوست حاجی سید محمد مرحوم شافعی المذھب ساکن جارجیا اتفاق سے سرحد کی انھین قوموں میں گئے تھے - مجھ سے کہتے تھے کہ مجھ کو شافعی ھونے کے سبب سے اُس قوم میں طرح طرح کی مصیبتین اٹھانی پڑیں اور گو میں دیہات و قصبات بلکہ خاص مساجد مین امن تلاش کرتا تھا لیکن مجھ کو در اصل مسجد مین بھی امن نہ معلوم ھوتا تھا - یہ پہاڑی قومین حنفی لوگوں کی فروعات کو بجائے اصول کے سمجھتی ھیں چنان چہ انھی فروعات حنفیہ مین سے ایک کتاب در مختار ھے جو ۱۰۷۱ء یا ۱۶۶۰ء مین لکھی گئی تھی اور فروعات حنفیہ میں سے یہ کتاب نہایت معتبر اور معتمد علیہ ھے - اس کتاب مین چند اشعار عربیہ اس مضمون کے درج ھین جن میں فروعات حنفیہ کو اور ائمہ کی فروعات پر ترجیح دی ھے اور اوروں کو برا لکھا ھے - انھی شعروں مین سے ایک شعر کا ترجمہ یہ ھے ”خدا کی لعنت اور قہر بے شمار اُس شخص پر جو امام ابو حنیفہ کا پیرو نہین ھے“

یہ پہاڑی قومیں اولیاء کرام کے مقابر اور مزاروں کو خصوصاً پیر بابا کے مقبرہ کو جو بونیر میں ہے اور کاکا صاحب کے مزار کو جو کوئٹہ میں ہے نہایت خلوص عقیدت سے پوجتے ہیں اور مجھ کو صدہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان خاطر رکھتا ہو۔ البتہ حیات افغانی میں جس کو گورنمنٹ کے ایک خیر خواہ اور ملازم مسلمان نے اردو زبان میں تصنیف کیا ہے (جو ۱۸٦۷ء میں لاہور میں چھپی ہے) یہ فقرہ لکھا دیکھا ہے:

> ''چند عرصہ سے ملا سید میر کوئٹہ کے پیرو وہابی سمجھے جاتے ہیں اور اخوند سوات کے پکے پیرو جو حنفی المذہب ہیں ملا سید میر کے معتقدوں کو گمراہ سمجھتے ہیں اور اکثر عثمان زئی اور ناصر اللہ کی اولاد وغیرہ جو گڑھی اسماعیل کا باشندہ تھا ملا سید میر کے طرف دار اور باقی پہاڑی قومیں اخوند سوات کی پیرو ہیں۔''

پس اس فقرہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سرحد کی قوموں کے عقیدہ میں وہابیت کا نام کو بھی اثر نہیں ہے۔ بایں لحاظ اس بات کا ہرگز گمان نہیں ہو سکتا کہ سرحد کے پٹھانوں اور وہابیوں میں کسی طرح سازش ہو سکتی ہے۔ چناں چہ ۱۸۲۴ء میں وہابیوں نے پہاڑوں میں جا کر قیام کیا اور انھوں نے اس بات کا قصد کیا کہ سکھوں پر ہم لوگ جہاد کریں اور شہید ہوں لیکن چوں کہ پہاڑی قومیں ان کے عقائد کے مخالف تھیں اس لیے وہ وہابی ان پہاڑیوں کو ہرگز اس بات پر راضی نہ

کر سکے کہ وہ اُن کے مسائل کو بھی اچھا سمجھتے ۔ مگر البتہ چوں کہ وہ سکھوں کے جور و ستم سے نہایت تنگ تھے اس سبب سے وھابیوں کے اس منصوبہ میں بھی شریک ھوگئے کہ سکھوں پر حملہ کیا جاوے اور آخرکار وھابیوں اور پہاڑیوں نے متفق ھو کر سکھوں پر حملہ بھی کیا ۔ لیکن چوں کہ یہ قوم مذھبی مخالفت میں نہایت سخت ھے اس سبب سے اس قوم نے اخیر میں وھابیوں سے دغا کر کے سکھوں سے اتفاق کر لیا اور مولوی محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کو شہید کیا ۔ پس ان باتوں کو ذرا اچھی طرح یاد رکھنا چاھیے ۔ کیوں کہ ان سے وھابیوں کی وہ تاریخ بہ خوبی معلوم ھوتی ھے جس کو ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے پہاڑی قوموں کے ساتھ وھابیوں کی سازش خیال کیا ھے ۔

ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے اپنی کتاب کے پہلے باب میں وھابیوں کے باغی لشکر قائم ھونے کی ایک کیفیت بیان کی ھے ۔ مگر چوں کہ مجھ کو اس تحریر میں چند در چند شبہات ھیں اس لیے میں بھی ھندوستان کے وھابیوں کی ایک مختصر کیفیت لکھتا ھوں اور جب تک میں ایک مختصر کیفیت وھابیوں کی نہ بیان کروں گا اس وقت تک یہ بات اچھی طرح نہیں کھلے گی کہ ڈاکٹر صاحب کو کن امور میں دھوکہ ھوا ھے اور اس معاملہ میں اصلی کیفیت کو ڈاکٹر صاحب نے کس مبالغہ اور زیادتی کے ساتھ بیان کیا ھے ۔

ھندوستان کے وھابیوں کی تاریخی کیفیت پانچ زمانوں سے متعلق ھے ۔

پہلا زمانہ ۱۸۲۳ء سے شروع ھوتا ھے اور ۱۸۳۰ء تک پورا ھوتا ھے اور یہ وہ زمانہ ھے جس میں مولوی محمد اسماعیل صاحب

اور سید احمد صاحب نے اُن سکھوں پر جہاد کیا تھا جو اپنی مسلمان رعایا کو تکلیف پہنچاتے تھے اور انتہا اس زمانہ کی اس وقت تک ہوئی جب کہ پشاور دوبارہ ان کے پیروؤں کے ہاتھ سے نکل گیا ۔

دوسرا زمانہ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۱ء تک یعنی پشاور کی فتح ثانی سے لے کر مولوی محمد اسماعیل صاحب اور سید احمد صاحب کی وفات تک ہے ۔

تیسرا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ یہ دونوں بزرگ شہید ہوئے اور انتہا اُس زمانہ کی اُس وقت تک ہے جب کہ گورنمنٹ انگریزی پنجاب پر قابض ہوئی اور وہابی لوگ مع عنایت علی اور ولایت علی کے سرحد سے اپنے گھروں کو بھیجے گئے یعنی ۱۸۳۱ء سے لے کر ۱۸۴۷ء تک ہے ۔

چوتھا زمانہ اُس وقت سے مراد ہے جب کہ ولایت علی اور عنایت علی نے دوبارہ سرحد پر حملہ کیا اور انتہا اس زمانہ کی ان دونوں کے مارے جانے تک ہوئی ۔

پانچواں زمانہ حال کا زمانہ ہے جس کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے صریح غلطی سے وہابیوں کی بغاوت کا زمانہ بیان کیا ہے ۔

پس ان پانچوں زمانوں میں وہابیت کا پہلا زمانہ نہایت عمدہ تھا اور جو کام اُس زمانہ کے وہابی کرتے تھے اُن سے گورنمنٹ انگریزی واقف تھی اور کسی طرح ان لوگوں کی طرف گورنمنٹ کی بد خواہی کا گمان نہیں ہوتا تھا ۔ چناں چہ اُس زمانہ میں علی العموم مسلمان لوگ عوام کو سکھوں پر جہاد کرنے کی ہدایت کرتے تھے تاکہ وہ اپنے ہم وطن مسلمانوں کو اُس قوم کے ظلم و تعدی سے نجات دیں ۔ اُس زمانہ میں مجاہدین کے پیشوا سید احمد صاحب تھے مگر وہ واعظ نہ تھے ۔ واعظ مولوی محمد اسماعیل صاحب تھے

جن کی نصیحتوں سے مسلمانوں کے دلوں میں ایک ایسا ولولہ اثر خیز پیدا ہوتا تھا جیسا کہ کسی بزرگ کی کرامت کا اثر ہوتا ہے مگر اس واعظ نے اپنے زمانہ میں کبھی کوئی لفظ اپنی زبان سے ایسا نہ نکالا جس سے ان کے ہم مشربوں کی طبیعت ذرا بھی گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے برافروختہ ہو۔ بلکہ ایک مرتبہ وہ کلکتہ میں سکھوں پر جہاد کرنے کا وعظ فرما رہے تھے۔ اثنائے وعظ میں کسی شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تم انگریزوں پر جہاد کرنے کا واعظ کیوں نہیں کہتے وہ بھی تو کافر ہیں۔ اس کے جواب میں مولوی محمد اسماعیل صاحب نے فرمایا کہ انگریزوں کے عہد میں مسلمانوں کو کچھ اذیت نہیں ہوتی اور چوں کہ ہم انگریزوں کی رعایا ہیں اس لیے ہم پر اپنے مذہب کی رو سے یہ بات فرض ہے کہ انگریزوں پر جہاد کرنے میں ہم کبھی شریک نہ ہوں۔ پس اس زمانہ میں ہزاروں مسلح مسلمان اور بے شمار سامان جنگ کا ذخیرہ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ہندوستان میں جمع ہوگیا مگر جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریزی کے مقاصد کے خلاف نہیں ہے۔ غرض کہ ۱۸۲۳ء میں یہ لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے سرحد پر پہنچے اور اس کے بعد ہندوستان سے برابر اُن کے پاس مدد پہنچتی رہی اور گورنمنٹ بھی اس امر سے بہ خوبی واقف تھی جس کے ثبوت میں ایک مقدمہ کی کیفیت نظیراً میں درج ذیل کرتا ہوں:

دہلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادی

لوگوں کی امداد کے واسطے روپیہ جمع کیا گیا تھا امداد کے روپیہ میں کچھ تغلب کیا اور مسٹر ولیم فریزر صاحب بہادر متوفی کمشنر دھلی کے رو برو اس پر نالش ہوئی اور انجام کار مولوی محمد اسحاق صاحب مدعی کے حق میں اس دعوے کی ڈگری ہوئی اور جو روپیہ مدعا علیہ سے ڈگری کا وصول ہوا وہ اور ذریعہ سے سرحد کو بھیجا گیا ۔ بعد اس کے اس مقدمہ کی اپیل صدر کورٹ الہ آباد میں ہوئی وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا ۔

اس زمانہ میں وھابیوں نے سرحد کی قوموں کی مدد سے پشاور کو فتح کیا اور بعد فتح کے دوست محمد خاں والئی کابل کے بھائی سلطان محمد خاں کے حوالہ کر دیا مگر سلطان محمد خان نے فریب سے تھوڑے عرصہ کے بعد پشاور کو رنجیت سنگھ کے ھاتھ فروخت کر ڈالا ۔

مگر دوسرے زمانہ میں گویا وھابیت کا زوال شروع ھوگیا تھا ۔ چناں چہ جب پھر سکھوں کا پشاور پر قبضہ ھوگیا تو سید احمد صاحب اور مولوی محمد اسماعیل صاحب کے پیروؤں کا بالکل جی ٹوٹ گیا کیوں کہ ان کو معلوم ھوگیا تھا کہ سرحد کے پٹھان ھمارے مذھب کے باعث سے ھم سے دلی عداوت رکھتے ھیں اب ھم کو ان سے کسی قسم کی امداد کی توقع نہیں رکھنی چاھیے اور ھماری یہ قلیل جماعت کسی طرح کامیابی کے ساتھ سکھوں کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور اسی وجہ سے انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اب ھم کو اپنے مذھب کی رو سے یہ جہاد جائز نہیں رھا ۔ علاوہ اس کے لوگوں کے باھم بھی اس امر میں اختلاف ھوگیا کہ آیا سید احمد صاحب ان کے پیشوا ھونے کی قابلیت رکھتے ھیں یا نہیں چناں چہ ان میں سے تو اکثر کی یہ

رائے تھی کہ وہ اس کام کے لائق نہیں ہیں اور بعض نے اس کے خلاف بیان کیا ۔ مگر مولوی اسماعیل صاحب نے اس حالت میں بھی ان جھگڑوں کے دفعیہ کی حتی الامکان کوشش کی اور ایک کتاب موسوم بہ منصب امامت لکھی (جو ۱۲۶۵ھ مطابق ۱۸۴۹ء کلکتہ میں طبع ہوئی تھی) لیکن ان کی یہ تمام کوششیں بے فائدہ ہوئیں اور انجام کار وہ جماعت بالکل ٹوٹ گئی جس میں کے ہزاروں آدمی ہندوستان میں اپنے گھروں کو واپس چلے گئے ۔ چناں چہ منجملہ ان کے ایک نہایت مشہور و معروف مولوی محبوب علی تھے (جن کا انتقال ۱۸۶۴ء میں ہوا) اور دوسرے مولوی حاجی محمد بنگالہ کے رہنے والے تھے ۔ مگر چوں کہ ان کا نکاح دہلی میں ہوا تھا اس سبب سے وہ کئی برس تک دہلی میں رہے اور ۱۸۷۰ء کو مقام الور میں انھوں نے وفات پائی ۔ شاید اس مضمون کے پڑھنے والے اس عجب بات کے سننے سے بھی خوش ہوں کہ مولوی محبوب علی صاحب وہی شخص تھے جن کو ۱۸۵۷ء میں باغیوں کے سرغنہ بخت خاں نے عین ہنگامہ غدر میں طلب کیا اور ان سے یہ درخواست کی کہ آپ اس زمانہ میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی نسبت ایک فتویٰ پر اپنے دستخط کر دیں مگر مولوی محبوب علی صاحب نے صاف انکار کیا اور بخت خاں سے کہا کہ ہم مسلمان گورنمنٹ انگریزی کی رعایا ہیں ہم اپنے مذہب کی رو سے اپنے حاکموں سے مقابلہ نہیں کر سکتے اور طرہ بر ایں یہ ہوا کہ جو ایذا بخت خاں اور اُس کے رفیقوں نے انگریزوں کی میموں اور بچوں کو دی تھی اُس کی بابت بخت خاں کو سخت لعنت ملامت کی ۔

اس زمانہ کے بعد سید احمد صاحب کے پیرو بہت ہی کم ہوگئے اور آخرکار وہ ۱۸۳۱ء میں مع اپنے اکثر رفیقوں کے

خاوی خاں کی دغا بازی سے شیر سنگھ کے مقابلہ میں شہید ہوگئے
اور اُن کے شہید ہوتے ہی جو لوگ جہادیوں کے ہمراہ تھے
اُن میں سے بہت سے لوگوں نے جہادیوں کا ساتھ چھوڑ دیا مگر
اور لوگوں نے اُن کا دل تھامنے کے لیے مصلحتاً یہ خبر مشہور
کر دی کہ سید احمد صاحب اب تک زندہ ہیں صرف بطور کرامات
غائب ہو کر کسی پہاڑ کے کھوہ میں پوشیدہ ہوگئے ہیں۔
مگر آخرکار اس دھوکہ کا حال کھل گیا تو سید احمد صاحب کے
پروانے گھروں کو لوٹ آئے اور اس زمانہ کے بعد جہاد کی
امداد کے واسطے ممالک مغربی و شمالی سے آدمی اور روپیہ وغیرہ کا
پہنچنا بالکل بند ہوگیا اور جو کچھ واقعات اس زمانہ کے بعد
ہوئے وہ چنداں دلچسپ نہیں۔

اس مقام پر میں یہ بات بیان کرتا ہوں کہ سید احمد صاحب
نے پشاور پر سکھوں کا پھر قبضہ ہونے کے بعد اپنے ان
رفیقوں سے جو جہاد میں جان دینے پر آمادہ تھے یہ کہا کہ تم
جہاد کے لیے مجھ سے بیعت شرعی کرو۔ چناں چہ کئی سو آدمیوں
نے اُسی وقت بیعت کی اور یہ بات تحقیق ہے کہ جو شخص
شیر سنگھ کے مقابلہ میں لڑائی میں بچ رہے تھے اُن مین صرف
چند آدمی اپنے پیشوا سید احمد صاحب کی شہادت کے بعد پہاڑیوں
میں باقی رہ گئے جن میں سے اکثر لوگ پٹنہ اور دیگر اضلاع
بنگالہ کے رہنے والے تھے۔ اس کے بعد مولوی عنایت علی اور
ولایت علی ساکن پٹنہ اُن کے سردار ہوئے لیکن انھوں نے
جہاد کے سر انجام دینے میں کچھ کوشش نہیں کی اور جب
پنجاب پر گورنمنٹ انگریزی کا تسلط ہوا تو مولوی عنایت علی
اور ولایت علی مع اپنے اکثر رفیقوں کے ۱۸۴۷ء میں اپنے گھروں
کو واپس بھیج دیے گئے۔ پس اس سے ہم کو یہ بات معلوم

ہوگئی کہ خاص پٹنہ یا بنگالہ کے اور ضلعوں سے بلکہ عموماً ہندوستان سے روپے اور آدمی اس وھابیت کے پہلے تین زمانوں میں ضرور سرحد کو بھیجے گئے تھے لیکن میری رائے میں یہ بات بہت کھلی ہوئی ہے کہ ان میں سے کوئی آدمی انگریزی گورنمنٹ پر حملہ کرنے کے واسطے ہرگز نہیں گیا تھا اور نہ اُن سے یہ کام لیا گیا اور نہ تین زمانوں میں کسی کو اس بات کا کچھ خیال ہوا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی نیت بغاوت کی جانب مائل ہے مگر با ایں ہمہ ہمارے ڈاکٹر ہنٹر صاحب اپنی کتاب کے صفحہ ۲۹ میں یہ بیان کرتے ہیں کہ :

> ''تیس برس کا عرصہ ہوا ہوگا جب ایک خلیفہ بہ طریق رسالت بنگالہ کو آیا اور وھاں اُس نے قیام کیا اور قرب و جوار کے تمام زمین دار اُس کا اعتبار کرنے لگے اور اُس نے بڑی مضبوطی اور موثر بیان کے ساتھ جہاد کا وعظ کیا اور جو لشکر سرحد پر تھا اُس کے پاس بھیجنے کے واسطے اُس نے پٹنہ کو آدمی اور روپیہ بھیجا ۔''

یہ سب ۱۸۴۱ء یا اس کے قریب کا ذکر ہے جس سے کئی برس بعد سرکار انگریزی کا تسلط ہوا تھا ۔ پس کیا ڈاکٹر ہنٹر صاحب کو فی الواقع یہ یقین ہے کہ اُس زمانہ میں روپیہ اور آدمی اس غرض سے بھیجھے گئے تھے کہ سرحد کی قوموں کو انگریزوں پر حملہ کرنے میں مدد پہنچے ؟

میں خیال کرتا ہوں کہ شاید ڈاکٹر صاحب اس بات کو تو تسلیم کریں گے کہ ۱۸۴۱ء سے کئی برس پہلے بھی سکھوں پر مسلمانوں کا جہاد ہو رہا تھا اور غالب ہے کہ جن آدمیوں اور روپوں کا ڈاکٹر صاحب نے ذکر کیا ہے وہ پنجاب کے

بادشاھوں کی رعایا کو شکست دینے کے واسطے بھیجے گئے ھوں ۔ اب یہاں سے میں یہ بات ثابت کرنا چاھتا ھوں کہ چوتھے زمانہ (یعنی زمانہ حال) میں بھی میری اُن ھم مذھبوں کی نسبت جو اب ھندوستان میں رھتے ھیں کسی قسم کی بدگمانی کی کوئی وجہ نہیں ھے ۔ مگر چوں کہ انگریز لوگ مسلمانوں کی عام رائے اور خیالات سے ناواقف ھیں اور اس سبب سے شاید میرے خیالات یا تحریر پر وہ بہت کم التفات اور اعتماد کریں گے لیکن اس امر کے سبب سے مجھ کو ایک ایسے معاملہ کے اظہار میں ڈرنا نہ چاھیے جس کو میں اپنے ذھن میں بالکل سچ سمجھتا ھوں ۔ جب مولوی عنایت علی اور ولایت علی ۱۸۴۷ء میں ھندوستان کو لوٹ آئے تو اس وقت سید احمد صاحب کے چند پیرو سرحد پر باقی رہ گئے اور یہ بات بھی صحیح ھے کہ ان دو شخصوں نے پٹنہ اور اس کے قرب و جوار کے آدمیوں کو اس بات کی ترغیب دینے میں ھرگز کوتاھی نہیں کی کہ وہ جہاد میں شریک ھوں اور اس کام کے واسطے روپیہ جمع کریں ۔ چناں چہ وہ برابر بڑی سرگرمی سے کوشش کرتے رھے اور جس بات کا اب تک اُن کو دل سے خیال تھا اُس کا اظہار انھوں نے ۱۸۵۱ء میں اس طرح پر کیا کہ وہ پھر ھندوستان سے سرحد کی جانب چلے گئے مگر ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے یہ خیال کیا کہ یہ لوگ دوبارہ سرحد کو انگریزوں پر حملہ کرنے کی نیت سے گئے تھے اور انھوں نے بجائے سکھوں کے انگریزوں پر جہاد کیا تھا حالاں کہ جب ان لوگوں کو انگریزوں سے کسی طرح کی شکایت نہ تھی تو پھر اُن کا یہ ارادہ کسی طرح پر صحیح نہیں ھو سکتا ۔ البتہ جو ظلم و تعدی سکھ لوگ مسلمانوں پر کرتے تھے اُس سے ھم کو یہ بات معلوم ھوگئی ھے کہ مسلمان سکھوں پر کس وجہ سے حملہ

کرنا چاہتے تھے ۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے یا کسی اور شخص نے اس بات کی کوئی وجہ نہیں بیان کی کہ مسلمانوں کے دل میں انگریزوں سے یہ عداوت دفعۃً کیوں کر پیدا ہو گئی ۔ کیوں کہ مسلمانوں کو انگریزوں سے کچھ عداوت نہ تھی بلکہ جو سکھ جموں میں رہتے تھے اُن پر وہ حملہ کرنا چاہتے تھے ۔

مجھ کو اُس شخص کی زبانی معلوم ہوا ہے جس کی ملاقات خاص مولوی عنایت علی اور ولایت علی سے اُس وقت میں ہوئی تھی جب وہ سرحد کو جاتے تھے ۔ اس وجہ سے مجھ کو اُس کی صداقت میں کسی طرح کا کلام نہیں ہے اور یہ بات بہ خوبی یاد رکھنی چاہیے کہ یہ وہابی اپنے مذہب میں بڑے پکے اور نہایت سچے ہوتے ہیں ۔ وہ اپنے اصول سے کسی حال میں منحرف نہیں ہوتے اور جن شخصوں کی نسبت میں یہ لکھ رہا ہوں وہ اپنے بال بچوں اور مال و اسباب کو گورنمنٹ انگریزی کی حفاظت میں چھوڑ گئے تھے اور اُن کے مذہب میں اپنے بال بچوں کے محافظوں پر حملہ کرنا نہایت ممنوع ہے ۔ اس لحاظ سے اگر وہ انگریزوں سے لڑتے اور لڑائی میں مارے جاتے تو وہ بہشت کی خوشیوں اور شہادت کے درجہ سے محروم ہو جاتے بلکہ اپنے مذہب میں گنہگار خیال کیے جاتے ۔ ہم کو یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ وہابیوں کی باقی ماندہ جماعت سرحد پر نہایت قلیل رہ گئی تھی اور پہاڑی قومیں اُن کے مذہب کے باعث سے اُن سے سخت عداوت رکھتی تھیں ۔ پس جب ہم ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب میں اس قسم کے فقرے پڑھتے ہیں کہ ”لارڈ ڈلہوزی صاحب نے اپنے دوسرے مراسلہ میں سرحد کی اُن قوموں پر حملہ کرنے کی تجویز کی نسبت کچھ بحث کی تھی جن کی بیہودہ عداوت کو جو اُن کو کفار کے ساتھ تھی ، ہندوستان کے

متعصب معتقد وھابیوں نے غایت درجہ تک بھڑکا دیا تھا"
(صفحہ ۲۲) تو ھم کو بلکہ ھر ایک شخص کو ھنسی آتی ھے ۔
ڈاکٹر صاحب شاید اس نہایت ضروری امر کو بھول گئے ھیں کہ
یہ پہاڑی قومیں قدیم زمانہ سے سرکش اور مفسد ھیں اور جو
قومیں اُن کی سرحد پر رھتی ھیں ، خواہ وہ کافر ھوں یا مسلمان
اُن کو انھوں نے کبھی چین نہیں لینے دیا اور بلا امتیاز کسی کے
خود دھلی کے مسلمان بادشاھوں اور سکھوں کے ساتھ لڑتے
رھے ھیں اور مثل اس آئرلینڈ کے باشندے کے جو میلہ میں
تماشائیوں سے خواہ مخواہ جنگ و جدل کا خواھاں ھوتا تھا ۔
جب تک اس قوم سے کوئی شخص لڑنے کے لیے موجود ھوتا تھا
اُس وقت تک اُس کو اس بات کی کچھ پروا نہ ھوتی تھی کہ وہ
شخص کون ھے ۔ یہاں تک کہ نادر شاہ سا شخص بھی جو بڑا ظالم
تھا اور جس کے نام سے تمام ملک ھندوستان لرزتا تھا اُن کو ھرگز
اپنا مطیع نہ کر سکا اور ولایت علی اور عنایت علی اور ان کے قلیل
ھمراھیوں کی نسبت اب تک کوئی بات ایسی نہیں معلوم ھوئی ھے
جس سے یہ ثابت ھو کہ وہ ھندوستان میں گورنمنٹ انگریزی پر
حملہ کرنے کا منصوبہ رکھتے تھے ۔ چناں چہ ۱۸۵۱ء سے چند
برس بعد اُن کا انتقال ھوا اور اُس کے بعد اُن کے تمام ھمراھی
ادھر اُدھر چلے گئے ۔

البتہ یہ بات بالکل صحیح ھے کہ جب تک یہ مولوی
سرحد پر مقیم رھے اُس وقت تک آدمی اور روپیہ پٹنہ اور
بنگالہ کے دیگر اضلاع سے سرحد پر پہنچتا رھا لیکن کسی شخص
کو یہ یقین نہ تھا کہ وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں کام
آویں گے اور نہ یہ امر کچھ قرین قیاس ھے کہ ایسی کمزور فوج
ایسی زبردست انگریزی سلطنت کے تباہ کرنے کا ارادہ کرے ۔

پس میرے علم و یقین کے موافق وہابیت کے پانچویں زمانہ کو بھی جہاد سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ کیوں کہ خوب جانتا ہوں کہ مولوی ولایت علی اور عنایت علی کے انتقال کے بعد جہاد کے سر انجام کے واسطے بنگالہ سے نہ تو روپیہ بھیجا گیا اور نہ آدمی گئے۔ البتہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد ہندوستان کے بعض سرکش آدمی جن کے ساتھ کچھ باغی بھی تھے ملکا اور ستانا واقعہ ترائی نیپال اور بیکانیر اور راجپوتانہ کے بیابانوں میں جا رہے تھے اور وہاں اُن کے جا رہنے کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے ان مقامات کو اُس سنگین سزا سے بچنے کے لیے امن کا مقام خیال کیا تھا جو غدر کے سبب سے اُن ایام میں لوگوں کو سرکار کی طرف سے ہوئی تھی اور جو لوگ گوشہ شمال و مغرب کی سرحد کو بھاگ گئے تھے اُن کا ایک عام خوف سے ایک موقع پر جمع ہو جانا ایک عقل مندی کی بات تھی حالاں کہ اس مجمع میں خاص مسلمان ہی نہ تھے بلکہ ہر قوم کے ہندو اور مسلمان سب تھے۔ پس اِن لوگوں کی نسبت یہ خیال کرنا (جیسا کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بیان کیا ہے) کہ وہ گورنمنٹ پر حملہ کرنے کی نیت سے جمع ہوئے تھے۔ میرے نزدیک ایک ایسی بے ہودہ بات ہے کہ اس کی جانب کوئی دانش مند التفات نہ کرے گا۔ البتہ یہ بات ممکن ہے کہ ان مفروروں کی جماعت میں سے بعض شخص ایسے بھی ہوں جو اپنے گھر والوں سے ہندوستان میں خط و کتابت رکھتے ہوں اور اس بات کا بھی کچھ تعجب نہیں ہے کہ اُن کے عزیز و اقارب ان کو روپیہ پیسہ بھیجتے ہوں اس لیے کہ اُن کی بغاوت کے سبب سے اُن کے قرابتی لوگوں پر یہ بات لازم نہ تھی کہ وہ ان سے خط و کتابت نہ کرتے بلکہ

ایسی ہی حالت میں اپنے یگانہ اپنے کا زیادہ خیال کیا کرتے ہیں
اور پاس محبت سے ایسے شخص کی مدد کرنا گویا اپنے ذمہ فرض
سمجھتے ہیں - پس ظن غالب یہ ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی
اس خیال بندی کے واسطے کہ "گورنمنٹ انگریزی پر جہاد
کرنے کے واسطے برابر انتظام کے ساتھ روپیہ اور آدمی یہاں سے
پہنچتے تھے" بلا شبہ یہی معاملہ ایک بڑی پکی بنیاد ہوئی ہوگی
اور دوسری وجہ اس خیال کی شاید یہ ہوئی ہو کہ ہندوستان سے
اخوند سوات کے پاس روپیہ جاتا تھا مگر جو لوگ میرے اس
مضمون کو پڑھیں گے وہ غالباً اس بات سے واقف ہوں گے کہ
مسلمانوں کی شریعت میں ہر مال دار مسلمان پر سال کے اخیر میں
اپنی مالیت کا چالیسواں حصہ خدا کے واسطے نکالنا فرض ہے اور
اس چالیسویں حصہ کو اُن کی شریعت میں زکواۃ کہتے ہیں -
پس گو بہت سے مسلمان اپنی شریعت کے اس فرض کو ادا نہیں
کرتے اور اس صورت سے اپنے ہم جنسوں کا فائدہ نہیں چاہتے
لیکن جو پکے مسلمان وہابی کہلاتے ہیں یا جن کی طبیعت کا
میلان اس سچے عقیدہ وہابیت کی طرف ہے وہ اس فرض کو بھی
مثل اور فرضوں کے نہایت مضبوطی اور احتیاط کے ساتھ ادا
کرتے ہیں اور جو روپیہ اپنے خزانہ میں سے زکواۃ کے طور پر
نکالتے ہیں اس کو حتی الامکان اپنے قرب و جوار کے مساکین
اور اُن مسافروں میں تقسیم کر دیتے ہیں جن کا گزر اُن قصبوں
اور دیہات میں ہو اور مسافر و مساکین کے علاوہ ان نامی گرامی
متوکل عالموں اور عابدوں کو دے دیتے ہیں جو ترک تعلق
کر کے گوشۂ عزلت میں بیٹھے ہوں اور ان کے سوائے جو طلباء
مسجدوں وغیرہ میں رہتے ہیں ان کی تعلیم کے واسطے بھی دے
دیتے ہیں اور اس رفاہ کے کام اور نیک فعل میں اُن پر مذہب کی

رو سے کچھ یہ بات فرض نہیں ہے کہ جس شخص کو وہ زکواۃ کا روپیہ دیں اُس کے حالات کی تحقیق بھی کر لیا کریں - مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کو بغاوت میں مدد دینے کے الزام سے محفوظ رہنے کا اس قدر اندیشہ ہوگیا ہے کہ اب وہ مسافروں وغیرہ کو اس قسم کا روپیہ نہیں دیتے اور اکثر اوقات اس باب میں احتیاط کرتے ہیں اور حقیقت میں بھی ایسا ہی ہے کہ جو مسلمان زکواۃ دینے والے ہیں وہ ضرور اس الزام میں مشتبہ ہیں - اخوند سوات کی نسبت مجھ کو بھی گمان ہے کہ بلا شبہ اس کے پاس بہت سے دولت مند مسلمان زکواۃ بھیجتے ہوں گے لیکن جیسے اس بات کا گمان ہے اسی طرح پر اس بات کا یقین ہے کہ اخوند سوات وہابی نہیں ہے اور جو روپیہ اُس کے پاس پہنچتا ہوگا اس کو گورنمنٹ پر جہاد کرنے سے کچھ سروکار نہ ہوگا - دہلی میں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب مرحوم کا مدرسہ اور شاہ غلام علی صاحب کی خانقاہ دونوں ایسے مقام تھے کہ وہاں علاوہ ہندوستان کے تمام دنیا مین سے روپیہ پیسہ آتا تھا - پس اگر کوئی شخص یہ بات کہہ دے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ اور خانقاہ مین جہاد کے واسطے روپیہ آتا تھا تو اسی وقت یہ بات بھی تسلیم کی جاوے گی کہ اخوند سوات کی پاس جہاد کے واسطے روپیہ جاتا تھا -

یہ ہم نے ہندوستانی وہابیوں کی گویا مختصر تاریخ بیان کی ہے اور مین درخواست کرتا ہوں کہ جب وہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کی نسبت میری رائے کو پڑھیں تو وہ اس مختصر تاریخ کا ضرور خیال رکھیں - مین یقین کرتا ہوں کہ میرے اس مضمون سے یہ بات بہ خوبی ثابت ہوگئی کہ ہندوستان کے وہابیوں کا وہ جہاد جس کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے گورنمنٹ

انگریزی کے متعلق بیان کیا ہے صرف سکھوں کے مغلوب کرنے کے واسطے ہوا تھا اور گو باغیوں کی اس جماعت نے جو مقام ملکا اور ستانا میں رہتے تھے ۱۸۵۷ء کے بعد ہماری گورنمنٹ کو کسی قسم کی تکلیف دی ہو لیکن سرحد کی جماعت کو جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک ہیں ہرگز جہادیوں کی جماعت نہیں کہہ سکتے ۔ جب ہم ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کھولتے ہیں تو ہم اس کے اول ہی صفحہ میں یہ فقرہ درج پاتے ہیں :

''کئی سال سے ہماری سرحد پر باغیوں کی ایک جماعت نے شورش مچا رکھی ہے اور اکثر اوقات وہاں کے متعصب گروہوں نے ہمارے لشکر پر آ کر حملہ کیا ہے اور دیہات میں آگ لگا دی اور ہماری رعایا کو قتل کیا ۔ چناں چہ ہماری فوج کو ان کی یورش کی وجہ سے تین مرتبہ سرحد پر بڑی بڑی لڑائیوں میں جانا پڑا ۔''

پس ڈاکٹر صاحب کی یہ تحریر نہایت لطف کی ہے کیوں کہ اس کے مطالب کو ان الفاظ سے مزین اور مستحکم کیا ہے ''باغیوں کی جماعت'' ، ''متعصب گروہوں'' لیکن ہمارے مضمون کے ایسے پڑھنے والے جو تعصبات سے بری ہیں فوراً ڈاکٹر صاحب سے یہ بات دریافت کریں گے کہ اس جماعت سے صاحب موصوف کن لوگوں کو مراد لیتے ہیں ۔ اگر صاحب موصوف اس جماعت سے ان وہابیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے سرحد پر سکونت پذیر ہوئے تھے تو میں ابھی کہہ چکا ہوں کہ یہ بیان محض بے اصل ہے اور اگر ان کی مراد اس جماعت سے وہ لوگ ہیں جو ۱۸۵۷ء کے بعد ملکا اور ستانا میں جا رہے تھے جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے تو اس

صورت میں ڈاکٹر ھنٹر صاحب کے اس سوال کا کیا مطلب ھوگا کہ :

''کیا ھندوستان کے مسلمانوں پر اپنے مذھب کی رو سے ملکہ معظمہ پر جہاد کرنا فرض ہے ؟''

کیوں کہ ان لوگوں کے فتنہ و فساد کو اس سے کیا تعلق ھوگا ؟

ڈاکٹر ھنٹر صاحب اپنی کتاب کے اول صفحہ میں لکھتے ھیں کہ :

''بارھا سرکاری تحقیقاتوں سے یہ بات ثابت ھوئی ہے کہ ھندوستان کے تمام اضلاع میں سازش و فساد کا گویا جال پھیل رھا ہے اور پنجاب سے آگے جو پہاڑ برف سے ڈھکے ھوئے ھیں وھاں سے لے کر ان گرم میدانوں تک جن میں سے گزر کر دریائے گنگ سمندر میں گرتا ہے برابر باغی لوگ بستے ھیں اور سرکاری راستوں سے برابر دو ھزار میل تک یہ لوگ روپیہ اور آدمی منزل بمنزل باغیوں کے لشکر میں بھیجتے ھیں اور اس سازش میں اکثر دولت مند اور تیز فہم لوگ بھی شریک ھیں مگر وہ اپنے روپیہ کو بڑے انتظام اور ھوشیاری سے روانہ کرتے ھیں۔ پس ایسے امور کے لحاظ سے گویا اب بغاوت کا نہایت خوفناک کام بمنزلہ ایک ساھوکاری کے ھوگیا ہے۔''

پس اس فقرہ کے دیکھنے سے اور جو فقرہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب کے آغاز میں لکھا ہے اس کے دیکھنے سے اس بات کا یقین ھوتا ہے کہ یہ سازش بنگالہ کے مسلمانوں نے انگریزی حکومت کے تہ و بالا کرنے کے واسطے علانیہ تمام ھندوستان کے

مسلمانوں کے ساتھ کی ہوگی ۔ حالاں کہ میری دانست میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب بھی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ یہ سازش بغاوت کے علاوہ اور امور میں بھی ہو سکتی ہے ۔ کیوں کہ میری اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی دونوں کی رائے میں اب یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ہندوستان میں کبھی سکھوں پر حملہ کرنے کے واسطے بھی یہ سازش ہوئی تھی ۔ پس اس سازش کو گورنمنٹ ہند کے مطالب کے خلاف بیان کرنا اور اس کے سبب سے تمام فرقہ اہل اسلام کی جانب سے عام لوگوں کو بدظن کرنا ہرگز بجا نہیں معلوم ہوتا ۔

بعد اس کے صفحہ ۱۰ میں ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں :

> "جو لوگ متمول ہیں وہ تو اس طرح پر سازش میں شریک ہیں ۔ باقی اور جو مسلمان ہیں وہ علی العموم اس فکر میں ہیں کہ آیا ہم پر جہاد کرنا فرض ہے ۔ چناں چہ تھوڑے عرصے سے ہندوستان کے انگریزی اخبار نویس اس بات پر بڑی ہنسی اڑا رہے ہیں کہ جو مسلمانہ سرکار کے بڑے خیرخواہ ہیں وہ اس امر کی تحقیق میں نہایت سرگرم ہیں کہ آیا ہم بغیر کسی طرح کی اخروی خرابی کے جہاد کے فرض سے بچ سکتے ہیں یا نہیں ۔"

اس فقرہ کو دیکھ کر میں بے تامل یہ بات کہتا ہوں کہ میرے ہم وطنوں کی نسبت آج تک ایسے تحقیر آمیز کلمات کسی شخص نے نہیں لکھے اور ایسی بے جا تحریر کسی نے نہیں کی ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاید ڈاکٹر ہنٹر صاحب کو ہندوستان کے مسلمانوں کے خیالات سے کچھ آگاہی نہیں ہے اور

جس بنیاد پر انھوں نے اپنی دانست میں ان باتوں کو صحیح سمجھ رکھا ہے وہ محض پوچ ہے -

مسلمانوں نے جو اس باب میں بحث و گفتگو کی تھی کہ آیا ہم پر جہاد فرض ہے یا نہیں اس کا یہ سبب نہ تھا جو ہنٹر صاحب خیال فرماتے ھیں کیوں کہ جو مسلمان ہندوستان میں رھتے ھیں وہ کچھ اس بات کے محتاج نہ تھے کہ جو مسائل اُن کے مذھبی ھدایت پر مبنی ھیں وہ ان کو از سر نو سکھائے جاویں بلکہ در حقیقت وہ اُن سے خوب واقف تھے اور ایسے مباحثوں سے اُن کا اصلی مطلب صرف یہ تھا کہ بعض ناواقف لوگوں کی غلط بیانی سے جو اس باب میں ھندوستان کے مسلمانوں کی طرف سے انگریزوں کی طبیعت برھم ھوتی تھی اس برھمی سے ایک طرح کی مضرت ھندوستان کے مسلمان اپنے حق میں سمجھتے تھے اور اس مضرت کو وہ اس طرح پر دفع کرنا چاھتے تھے کہ لوگوں کی اس غلط بیانی کی اصلاح کریں جس سے ایک غلط الزام ان پر لگتا ھے - چناں چہ بعض اخبار نویسوں نے جو اس باب میں کچھ لکھا لکھایا تھا اول انھوں نے اس کا کچھ خیال بھی نہیں کیا - مگر جب انھوں نے دیکھا کہ اب اس معاملہ میں طول ھوتا جاتا ھے اور ھمارے ذمہ ایکہ غلط مذھبی تہمت لگتی ھے اور سرکار کے ساتھ بد خواھی کرنا گویا مسلمانوں کا ایک فرض ٹھہرتا ھے اُس وقت انھوں نے مجبور ھو کر اُن فقروں کو چھاپنا ضروری سمجھا جن کا ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے حوالہ دیا ھے - حالاں کہ یہ فقرے کچھ آج کے نہیں ھیں بلکہ صد ھا برس سے موجود ھین اور ھمیشہ مسلمان ان کے معتقد رہے ھین -

صفحہ ۲۱ مین ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے اُن باغیوں کا ذکر کیا ھے جو سرحد پر رھتے ھین اور انھین کے ذیل مین سید احمد صاحب

کے بھی حالات بیان کیے ہیں اور جس طرح پر وہابیت کے مخالفوں نے مذاق سے یہ کہہ دیا تھا کہ سید احمد صاحب گویا ایک پیغمبر ہیں اور اُن کے فلاں شخص چار خلیفہ ہیں اسی طرح پر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بھی اُن کو پیغمبر لکھا ہے اور صفحہ ۱۳ میں بیان کیا ہے کہ اُن کے چار خلیفہ بھی تھے اور یہ بھی ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے کہ :

''سید صاحب نے اپنے گماشتے اس واسطے مقرر کر دیے تھے کہ جو بڑے بڑے قصبے اُن کی راہ میں واقع تھے وہاں جا کر وہ لوگ تجارت کے منافع میں سے اپنا ایک محصول لیا کریں ۔''

مگر ہماری دانست میں ڈاکٹر صاحب کے اس بیان کے واسطے کچھ سند نہیں ہے صفحہ ۱۴ میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں :

''سید احمد صاحب نے اُن خلیفوں کی دنیوی طمع کو اپنے لوٹ کسوٹ کے بڑے بڑے وعدوں پر بہت کچھ بڑھا رکھا تھا اور اُن کے عقیدہ کو اس بات پر پکا کر دیا تھا کہ مجھ کو خداوند تعالیٰ نے تمام کفار یعنی سکھوں سے لے کر چین والوں تک کے نیست و نابود کرنے کا حکم دیا ہے ۔''

مگر جب ہم سید احمد صاحب کی اس التجا سے کہ ''تمام مسلمانوں سکھوں پر جہاد کرنے میں شریک ہوں'' ڈاکٹر صاحب کے بیان کو مطابق کرتے ہیں تو ہم کو چین والوں کے ذکر کا کہیں پتہ بھی نہیں ملتا ۔ پس امید ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہم کو از راہ مہربانی اس امر سے ضرور مطلع فرماویں گے کہ انہوں نے چین والوں کا ذکر کہاں سے لیا ہے اور اس کی کیا سند ہے ۔

صفحہ ۱۵ مین ڈاکٹر صاحب موصوف بیان فرماتے ھیں :

”شمالی ہندوستان کے اُن سرداروں اور راجاؤں نے جو دل مین کچھ ناراض تھے برابر سید احمد صاحب کے لشکر کو فوجیں بھیجی تھیں ۔“

اگر ڈاکٹر صاحب اس مقام پر اپنا مطلب زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کرتے تو نہایت مناسب ھوتا کیوں کہ اس فقرے سے کسی شخص کو صاف صاف یہ بات نہیں سمجھ میں آتی کہ یہ ناراض سردار کون تھے اور وہ کس سے ناراض تھے ۔ علاوہ اس کے جو ماجرا کوہ ہمالیہ میں واقع ھوا تھا اُس کے بیان میں صاحب موصوف نے اپنی قوت متخیلہ سے زیادہ کام لیا ھے اوراس کے بعد فقرہ ذیل میں اس سے بھی زیادہ کچھ خیال بندی فرمائی ھے :

”سید احمد صاحب نے جو خلیفہ ۱۸۲۱ء میں بمقام پٹنہ معین کیے تھے ان میں سے دو شخص سرحد کی جانب گئے اور انھوں نے وھاں جا کر اس بات کو لوگوں کے خوب ذھن نشین کیا کہ سید احمد صاحب نے انتقال نہیں فرمایا بلکہ وہ صرف بہ طور کرامت غائب ھوگئے ھیں ۔ آئندہ کسی مناسب وقت میں ایک ملکوتی فوج لے کر ظاھر ھوں گے اور ھندوستان سے کفار کو نکال دیں گے ۔“

یہ بیان محض افتراء ھے اور ایسا معلوم ھوتا ھے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس بیان کو وھابیوں کے ساتویں عقیدہ کے اس معنی کی تصدیق کے واسطے درج کیا ھے جو انھوں نے اپنی طرف سے بیان فرمائے ھیں ۔ شاید ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کسی ایسے شخص کی زبانی سنی ھوگی جو وھابیوں کے مخالف عقیدہ رکھتا ھوگا یا وھابیوں پر ایک جھوٹا الزام لگانے کے واسطے آمادہ

ہوگا۔ کیسے افسوس کی بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کے عقائد بیان کرنے میں نہایت پوچ باتوں پر بھروسہ کیا ہے اور ایک ایسے عالم نے صریح ظلمت و نور میں امتیاز نہیں کی جس کے سبب سے آپ کی ہوشیاری میں بڑا بٹہ لگتا ہے۔

ایک اور فقرہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں ایسا لکھا ہے کہ جو انگریز اپنی رعایا کے دلوں میں اپنی محبت کا تخم بونا چاہتے ہیں وہ ہرگز ایسے فقرہ کو نہ لکھیں گے جس سے ان کے مطلب میں خلل پڑتا ہے۔ وہ فقرہ یہ ہے:

"ہر ایک مسلمان نے جو اس قدر سرگرم تھا کہ عیسائی گورنمنٹ کے عہدہ میں خاموش نہیں رہ سکتا تھا اپنی کمر باندھی اور ستانا کے لشکر میں جانے کو مستعد ہوا۔"

پس تمام ایسے مسلمانوں کی نسبت جو ہندوستان میں چپ چاپ بیٹھے تھے یہ کیسی عام تہمت ہے۔ معلوم ہوتا ہے شاید ڈاکٹر صاحب اس بات سے واقف نہیں ہیں کہ مسلمانوں کے مذہب میں خصوصاً وھابیوں کے عقائد کے موافق اس باب میں کیا ھدایت ہے۔ یا شاید ڈاکٹر صاحب دیدہ و دانستہ اُنؐ کے غلط معنی بیان کرتے ہیں۔ وھابی لوگ اپنے رسول کے احکام کی سچی سچی اطاعت کرتے ہیں اور یہ بات مشہور ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکہ کے مسلمانوں کو اذیت پہنچی تو آنحضرتؐ نے اپنے پکے پیروؤں کو حکم دیا کہ وہ حبش کی عیسائی سلطنت میں جا کر پناہ لیں۔ پس اب یہ بات کہنا کہ پکے مسلمان انگریزی سلطنت میں خاموش نہیں رہ سکتے تھے اور سرحد پر جانا چاہتے تھے محض افترا ہے۔ کیا ڈاکٹر ہنٹر صاحب

کے نزدیک جو مسلمان ہندوستان میں باقی رہے تھے ان میں کوئی بھی پکا مسلمان نہ تھا ۔

میں نے یہ بیان کیا تھا کہ جو لوگ جہاد کے واسطے سرحد پر جمع ہوئے تھے وہ گورنمنٹ انگریزی پر جہاد کرنا نہیں چاہتے تھے ۔ چناں چہ میرے اس بیان کی تصدیق ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو اُن کی کتاب کے صفحہ ۳۳ میں موجود ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ :

> ''اسی سال یعنی ۱۸۵۲ء میں انھوں نے ہمارے ایک رفیق یعنی ریاست امب کے سردار پر حملہ کیا جس کے سبب سے انگریزی فوج کا روانہ کرنا ضرور معلوم ہوا ۔''

بعد اس کے ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :

> ''میں اُن زیادتیوں اور لوٹ کھسوٹ اور قتل و قتال کا مفصل ذکر نہیں کرتا جن کے باعث سے ۱۸۵۸ء میں گورنمنٹ انگریزی کو سرحد کی قوموں سے لڑنا پڑا اور اس عرصہ میں سرحد کی قوموں کو ہمیشہ متعصب مسلمانوں نے گورنمنٹ انگریزی کی مخالفت پر بر انگیختہ رکھا ۔''

پس میں پوچھتا ہوں کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اپنے اس بیان کی سند کیا رکھتے ہیں اور اُن کو کیسے معلوم ہوا کہ سرحد کی قوموں کی یہ دائمی مخالفت متعصب مسلمانوں کے بر انگیختہ کرنے سے تھی ۔ اگر صاحب موصوف نے اپنے اس خیال کو اس بنا پر پیدا کیا ہے کہ سرحد کی قومیں سینکڑوں برس سے اُن لوگوں کے ساتھ جنگ و پرخاش رکھتی تھیں جو ان کے متصل رہتے تھے تو میری دانست میں صاحب موصوف کی

جانب سے ہمارے مسلمانوں پر ناحق کی تہمت ہے اور مجھ کو اُس کے سبب سے سخت حیرت ہے۔ کیوں کہ وہ قومیں تو خود ہی اس قدر جنگ جو اور پر کینہ ہیں کہ کسی کی ترغیب و تحریک کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ :

"اس عرصہ میں یعنی ۵۲ و ۱۸۵۸ء میں اُن باغیوں نے جو ستانا میں تھے بہ نظر دانش مندی یہ کام کیا کہ خود تو سرکاری فوج سے علانیہ مقابل نہ ہوئے مگر در پردہ سرحد کی قوموں کے دلوں میں جوش و خروش پیدا کرتے رہے اور متعصبانہ اثر ان کی طبیعتوں میں ڈالتے رہے۔"

مگر ان کے اس بیان سے میرے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے کہ جس جہاد کا منصوبہ ہندوستان میں ہوا تھا وہ سکھوں کی نسبت تھا۔ گورنمنٹ انگریزی پر حملہ کے واسطے نہ تھا۔ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو جو لوگ مذہبی جوش کے پیدا کرنے میں ایسے سرگرم تھے کہ وہ اپنے جوش میں اکثر سکھوں سے لڑتے تھے دس برس تک گورنمنٹ انگریزی پر حملہ کرنے سے باز نہ رہتے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کو میری دانست میں سب لوگ تسلیم کریں گے۔ مگر ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس قابل تسلیم بات سے اس لیے اپنی لاعلمی ظاہر کرتے ہیں کہ اس کے سبب سے اُن کا یہ قصہ نہایت پر تاثیر ہو جاوے اور جو سر نامہ انھوں نے اپنی کتاب کے واسطے تجویز کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :

"کیا ہندوستان کے مسلمانوں پر ملکہ معظمہ پر جہاد کرنا فرض ہے۔"

اس سر نامہ کے معنی کو تقویت حاصل ہو۔

اب ہم سنہ ۱۸۵۷ و ۵۸ و ۶۱ و ۶۳ کا ذکر کرتے ہیں۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب بیان فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء میں ستانا کے باغیوں نے گورنمنٹ انگریزی پر حملہ کرنے کے واسطے ایک عام سازش کرنی چاہی اور نہایت جرأت کے ساتھ انہوں نے گورنمنٹ انگریزی سے اس بات کا تقاضہ کیا کہ وہ ان کو ایک تاوان کے وصول میں مدد دے۔ اپنی کتاب کے حاشیہ میں ایک مقام پر صاحب موصوف نے خاص کر یہ بیان کیا ہے کہ قوم یوسف زئی اور پنج تار بھی اس سازش میں شریک تھیں۔ پس میں یہ بات جانتا ہوں کہ البتہ یہ پچھلی دونوں قومیں ۱۸۵۷ء میں گورنمنٹ انگریزی سے لڑنے کا ضرور ارادہ رکھتی ہوں گی۔ اس لیے کہ اس ہنگامہ میں لوٹ کھسوٹ اور دنیوی فائدہ کا نہایت عمدہ موقع حاصل تھا اور اس عرصہ میں بلاشبہ بہت سی اور قومیں بھی اس بات پر ایسی آمادہ تھیں کہ ان کو کچھ ستانا کے باغیوں کی تحریک کی ضرورت نہ تھی۔ علاوہ اس کے اس بات کو سن کر ہر شخص تعجب کرے گا کہ جب ۱۸۵۷ء میں ستانا کے باغیوں کی جانب سے ایسی عام سازش ہوئی تھی تو صرف ایک ہی برس بعد یعنی ۱۸۵۸ء میں ستانا اور سرحد کی قوموں کے باہم کیوں اس قدر نفاق ہو گیا کہ اُن قوموں نے اُن پر حملہ کیا اور اُن کا بڑا متعصب سردار سید عمر شاہ نامی جس کا ذکر صفحہ ۵۲ کے حاشیہ میں ہے اس حملہ میں مارا گیا۔ میری دانست میں تو اس سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ پہاڑی قوموں میں ان کا کچھ رعب نہ تھا۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا بیان ہے کہ یہ لوگ قرب و جوار کے پہاڑی باشندوں سے محصول لیا کرتے تھے (صفحہ ۲۴) مگر میری یہ رائے ہے کہ عنایت علی اور ولایت علی

کے انتقال کے بعد چند آدمی پہلی جماعت میں کے رہ گئے تھے اور وہ اس قدر کمزور تھے اور خود ان میں باھم اس قدر نفاق تھا کہ وہ اس قسم کا ارادہ ھرگز نہیں کر سکتے تھے - البتہ ۱۸۵۷ء میں اور اس کے بعد کچھ سرکار فوج کے بگڑے ھوئے سپاھی اور کچھ اور لوگ ستانا میں جمع ھوگئے تھے اور ان میں ھندو اور مسلمان سب تھے اور ھمارے پہلے بیان کے موافق یہ وھی لوگ تھے جو ھندوستان سے جلا وطن کر دیے گئے تھے - اب ھم کو خود ڈاکٹر ھنٹر صاحب کے بیان سے یہ بات ثابت ھوگئی (صفحہ ۲۴) کہ ۱۸۵۰ء سے لے کر ۱۸۵۷ء تک ان متعصب مسلمانوں اور انگریزی فوج میں کبھی لڑائی نہیں ھوئی جن کا ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے لکھا ھے -

البتہ ۱۸۵۷ء کے بعد کئی لڑائیاں ھوئیں لیکن ان لڑائیوں سے کیا نتیجہ نکلا - میری دانست میں تو ان سے صاف یہ نتیجہ نکلا کہ جو کچھ اس کے بعد ظہور میں آیا اس میں اغوا کرنے والے سرکاری فوج کے باغی سپاھی تھے - سید احمد شاہ صاحب کے گروہ میں کا ایک شخص بھی اس میں شریک نہ تھا اور جس سے ڈاکٹر ھنٹر صاحب کے اور اقوال کی سند نہیں ھے اسی طرح ان کے اس قول کی بھی اصل نہیں ھے کہ جو شعلہ ھندوستان میں بھڑکا تھا اس شعلہ کو ھندوستان کے متعصب مسلمان اور زیادہ بھڑکاتے تھے - جو ھنگامے گورنمنٹ انگریزی کے مقبوضہ دیہات میں بچوں کی چوری اور غارت گری اور آتش زدگی وغیرہ کے ظہور میں آئے ھیں ان میں سرحد کی قوموں کی بہت کچھ سازش اور شرکت تھی - پس ان ھنگاموں کو سید احمد صاحب کے پیروؤں کی طرف منسوب کرنا اور ان کے باعث سے ھندوستان کے تمام مسلمانوں کو متہم کرنا نہایت ھی نازیبا ھے -

ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے باب اول کے آخر مین امیلا کی لڑائی اور سرحد کی قوموں کے اس فساد کا بھی ذکر ہے جو ۱۸۶۸ء مین انھوں نے کیا تھا - مگر اس مقابلہ کی نسبت میری یہ رائے ہے (اور جو انگریزی افسر اس موقع پر موجود تھے وہ بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں) کہ اُن کا یہ مقابلہ کچھ مقامِ ملکا کے باغیوں کی محبت کے سبب سے نہ تھا بلکہ گورنمنٹ انگریزی نے جو اُن کی مرضی کے خلاف اُن کے ملک میں ہو کر حملہ کیا تھا اس سبب سے وہ ناراض ہوگئی تھین مگر اُن کی ناراضگی بھی حق بجانب تھی - اگر اُن کو یہ اطلاع ہوتی کہ ہم صرف درہ امیلا سے راستہ چاھتے ہیں تو غالباً وہ سب گورنمنٹ انگریزی کی طرف دار ہوتین - مگر ان کو ہمارے منصوبوں کی اطلاع نہ ہوئی - اس سبب سے اُن کے دل میں شبہ پیدا ہوا اور اسی شبہ کے سبب سے انھوں نے ستانا کے گروہ کی طرف داری کی - مگر میں یقین کرتا ہوں کہ ایسے موقع پر اگر بجائے پہاڑی قوموں کے انگریز لوگ ہوتے اور اُن کو ایسی صورت پیش آتی تو وہ بھی ایسا ہی کرتے -

صفحہ ۳۹ میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے محمد اسحاق اور محمد یعقوب اور مولوی عبد اللہ ان تین سرداروں کا ذکر ہے - لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ تینوں سردار کہاں سے آئے تھے - آیا پٹنہ سے آئے تھے یا جنوبی بنگالہ سے یا شمالی ہندوستان سے یا کہیں اوز سے آئے تھے - حالاں کہ ہر شخص اُن کے حالات کی تفتیش اور تحقیق کا خواہاں ہے - مین ان کے ناموں سے محض ناواقف ہوں اور گو میں ان کی نہایت تحقیقات کی مگر مجھ کو کہیں پتا نہیں لگا - ہنٹر صاحب نے گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے اس بات پر افسوس ظاہر کیا ہے. کہ گورنمنٹ موصوف ہندوستان

کے متعصب مسلمانوں کو ہندوستان سے نہ نکال سکتی ہے اور نہ ان کو اس شرط سے گورنمنٹ کا مطیع کر سکتی ہے کہ وہ گورنمنٹ کی اطاعت قبول کریں اور ہندوستان میں اپنے گھروں کو لوٹ آویں (صفحہ ۴۱ و ۴۲) مگر صاحب موصوف نے بہ نظر دانش مندی یہ نہیں لکھا کہ وہ متعصب مسلمان ۱۸۵۷ء کے باغی تھے یا سید احمد صاحب کے گروہ کے باقی ماندہ لوگ تھے ۔ اگر صاحب موصوف اس بات کا بھی مفصل ذکر کرتے تو یہ باب عمدہ طور سے ختم ہو جاتا ۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے صفحہ ۴۵ میں ایک شریر اور زبردست آدمی تتو میاں نامی کی ان زیادتیوں کا ذکر ہے جو اس نے معاملات اراضی کے متعلق کی تھیں اور ہندوؤں کی گایوں کو بہ جبر حلال کیا تھا اور یہ بھی لکھا ہے کہ اسی عرصہ میں کسی دولت مند کی بیوہ لڑکی کا نکاح بغیر رضا مندی اس کے وارثوں کے اس گروہ کے کسی سردار سے ہوا تھا اور ان سب باتوں کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے وہابیوں کی ایک ایسی سازش کا نتیجہ قرار دیا ہے ، جو انگریزی حکومت کے تہ و بالا کرنے کے واسطے کی گئی تھی ۔ حالاں کہ یہ سب ایسی لغو اور فضول تہمتیں ہیں کہ ان کا جواب دینا بھی فضولیات سے معلوم ہوتا ہے کیوں کہ ایسے فساد اور جھگڑے ہمیشہ تمام ہندوستان میں ہوتے رہے ہیں مگر ان کو کبھی سرکاری معاملات سے کچھ سروکار نہیں ہوا اور نہ ان کو کسی نے انگریزوں پر جہاد سمجھا ۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے سید احمد صاحب کے کراماتاً غائب ہو جانے کے قصے کو کسی قدر مبالغہ اور اصرار کے ساتھ بیان کیا ہے ، حالاں کہ یہ ایک ایسا لغو قصہ ہے جس کو اس

وقت کے عام مسلمان بھی اپنے اعتقاد میں نہایت ضعیف سمجھتے تھے - پس جس قدر کہ ڈاکٹر صاحب موصوف ان مسلمانوں کو ضعیف الاعتقادی کو 'لوگوں' کے ذہن نشین کرنا چاہتے ہیں درحقیقت اس کی کچھ بھی اصل نہ تھی -

اب میں اس مضمون کے ناظرین کو اس خط کے مضمون کی طرف مائل کرتا ہوں - جو بنگالہ کے ایک بڑے راسخ الاعتقاد عالم نے لکھا تھا ، اس خط میں عالم مذکور نے اولاً سید احمد صاحب کے کراماتاً غائب ہو جانے کے قصے کی اصلیت دریافت کی ہے ، اور اس کے بعد اپنے معتقدین کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ وہاں سے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آویں - پس ذرا سوچنا چاہیے کہ اس عالم کی چٹھی اور اس ہدایت کا نتیجہ کیا نکلتا ہے - ہمارے نزدیک تو اس سے صاف یہ عمدہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ شخص اپنی صفائی طبیعت سے اس بات کو بہت برا سمجھتا تھا کہ مذہبی سرگرمیوں کو دھوکا بازی سے بر انگیختہ کرے اور اس کا یہ منشاء ہرگز نہ تھا کہ وہ سلطنت انگریزی میں کسی قسم کا فتور برپا کرے - حالاں کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اس کو بھی ایک متعصب عالم لکھا ہے - ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے صفحہ ٦١ میں سید احمد صاحب اور عبدالوہاب کی ایک مفصل تاریخ لکھی ہے ، وہ تحریر فرماتے ہیں کہ :

> ''جو بات اب تک اُن کے دل میں بہ طور خواب و خیال کے تھی وہ انجام کار ایک آتشیں شعلہ کے بن کر اس درجہ کو پہنچی کہ وہ اپنے دل میں جملہ اضلاع ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا قائم خیال کرنے لگے اور انگریزوں کے مذہبی آثار کو ان کی نعشوں کے ساتھ کو ہا زمین میں مدفون سمجھنے لگے۔''

پس اس میں شبہ نہیں کہ سید احمد صاحب اور اگر ٹھیک ٹھیک سمجھو ؛ تو مولوی اسمٰعیل صاحب نے اپنی ہمت کو اس بات پر مصروف کیا تھا کہ جہاں تک ممکن ہو ھندوستان میں اپنے مذھب اسلام کی تہذیب اور اصلاح کرنی چاھیے۔ اس لیے کہ ھندوستان میں بہت سی بے اصل باتیں مسلمانوں کے مذھب میں داخل ھوگئی تھیں ، اور اسی لحاظ سے ڈاکٹر صاحب کا یہ قول نہایت صحیح ھے کہ سید احمد صاحب تمام اضلاع ھندوستان میں اپنی مذھبی تہذیب کا جھنڈا قائم کرنا چاھتے تھے ۔ مگر یہ بالکل غلط ھے کہ وہ گورنمنٹ انگریزی کے مذھب کے نیست و نابود کرنے کی فکر میں تھے ۔ میری دانست میں ڈاکٹر صاحب کی یہ رائے بالکل بے سند ھے اور اس قابل نہیں ھے ، کہ اس پر ذرا بھی التفات کیا جائے ۔ جو اطلاع سید احمد صاحب نے مسلمانوں کو دی تھی ، وہ صرف اس بات کی تھی کہ وہ سکھوں پر جہاد کرنے کے لیے آمادہ ھوں ۔ پس ڈاکٹر ھنٹر صاحب کی رائے خود سید احمد صاحب کی اس ھدایت ھی سے بالکل مخالف ٹھہرتی ھے اور کوئی وھابی ایسی رائے ظاھر بھی نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ وہ اُن کے اعتقاد کے بالکل خلاف ھوتی ۔ میں جانتا ھوں بلکہ مجھ کو یقین کامل ھے کہ غالباً اس معاملہ میں ڈاکٹر صاحب کو کسی ایسے شخص نے دھوکا دیا ھے جو وھابیت کے خلاف اعتقاد رکھتا ھے ۔

جس موقع پر ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے وھابیوں کی کتابوں کا ذکر کیا ھے وھاں اُنھوں نے یہ فقرہ لکھا ھے کہ :

> ”وھابیوں کی کتابوں میں دین دار اور خدا پرست آدمیوں کا سب سے بڑا فرض یہی لکھا ھے کہ وہ جہاد کریں ۔“

اور بعد اس کے پھر صفحہ ٦٦ میں لکھا ہے کہ :

"وہابیوں نے نظم اور نثر زبان میں انگریزوں پر جہاد کرنے کی بابت اس کثرت سے رسالے لکھے ہیں کہ اگر اُن سب کا حد سے زیادہ مختصر خلاصہ کیا جاوے تو بھی اُن سے ایک بڑے حجم کی کتاب تیار ہو۔"

اور اسی کے ذیل میں صاحب موصوف نے مسلمانوں کی ان پشین گوئیوں کا ذکر کیا ہے جو انگریزی حکومت کے زوال کی نسبت کی گئی ہیں اور مسلمانوں کی چودہ کتابوں کی ایک فہرست بھی لکھی ہے اور اُن میں سے چند فقرے نقل کیے ہیں، جن کا ذکر آئندہ آئے گا جن کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی بہت کھلی ہوئی غلطیاں بھی ظاہر ہوں گی۔

جہاد تو ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے جواز و عدم جواز اور اس کے شروط کا ذکر مسلمانوں کی آسمانی کتاب یعنی قرآن شریف اور احادیث نبوی اور فقہ کی تمام کتابوں میں برابر موجود ہے۔ اس سبب سے ڈاکٹر صاحب کو یہ لکھنا زیبا تھا کہ تمام مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں جہاد کا ہر جگہ ذکر ہے۔ یہ مناسب نہ تھا کہ صرف وہابیوں کی کتابوں میں اس کا ذکر ہے اور اگر ڈاکٹر صاحب نے یہ سمجھا ہے، کہ جہاد وہابیوں کے نزدیک سب سے بڑا فرض ہے تو ان کو یہ لکھنا بھی ضرور تھا کہ وہ کن کن صورتوں میں فرض ہے۔ میری دانست میں ڈاکٹر صاحب کا یہ بیان بالکل غلط ہے کہ وہابیوں نے خاص جہاد کے باب میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ چناں چہ جب ہم اُن کتابوں کے مطالب کو غور سے دیکھیں گے تو کٹر صاحب کی یہ غلطی بھی ظاہر ہو جاوے گی۔ صاحب موصوف نے اول صراط مستقیم کا ذکر کیا ہے (یہ وہ کتاب ہے، جس کو ۱۲۲۳ھ

مطابق ١٨١٨ء میں مولوی محمد اسماعیل صاحب دھلوی نے تصنیف کیا تھا) اس کتاب میں صرف ایک مقام پر جہاد کا ذکر ہے۔ پس صاحب موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ٦٣ میں جو کچھ اس کے متعلق لکھا ہے اور ترجمہ کیا ہے وہ بالکل صحیح نہیں ہے، صحیح یہ جیسا ہم لکھتے ہیں :

"باید دانست که جهاد امریست کثیر القواعد عمیم المنافع که منفعت آن بوجوه متعدده به جمهور انام می رسد بمشابه باراں که منفعتش نبات و حیوان و انسان را احاطه کرده و منافع ایں امر عظیم دو قسم است ۔ منفعتی عامه که مومنین مطیعین و کفار متمرد ین و فساق و منافقین بلکه جن و انس و حیوان و نبات دراں اشتراک می دارند و منافع مخصوصه بجمایات خاصه یعنی بعضی اشخاص را منفعتی حاصل میشود و بعضی دیگر را منفعتی دیگر۔ اما منفعت عامه پس بیانش آن که چناں که به تجربه صحیحه ثابت شده که بسبب عدالت حکام و دیانت اهل معاملات و سخا و جود ارباب اموال و نیک نیتی جمهور انام برکات سماویه مثل نزول باران بر وقت و کثرت نبات و اتفاق مکاسب و معاملات و دفع بلایا و آفات و نمو اموال و ظهور ارباب هنر و کمال بیش از بیش متحقق می گردد همچنین بمثل آن بلکه صد چند ازان به سبب شوکت دین حق و عروج سلاطین متدینین و ظهور حکومت ایشان در اقطار و اکناف زمین و قوت عساکر ملت حقه و انتشار احکام شرع در قریٰ و احصار به ظهور میرسد۔ چناں چه حال هندوستان را با حال روم و توران در

نزول برکات سماویه باید سنجید بلکه حال هندوستان را
دریں جز زمان که سنه یک هزار دو صد و سی و سوم
است که اکثرش دریں ایام دارالحرب گردیده به حال
همیں ولایت که پیش ازیں دو صد یا سه صد سال
بوده در نزول برکات سماویه و ظهور اولیائے عظام و
علمائے کرام قیاس باید کرد۔"

علاوہ اس بات کے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس عبارت کا
ترجمہ غلط کیا ہے اس جملہ کو بھی ترک کر دیا ہے۔ "تجربہ
صحیحہ" جو تمام عبارت کی بنیاد ہے۔ بلاشبہ مولوی اسماعیل صاحب
نے اپنی کتاب کے اس فقرہ میں عام طور پر جہاد کا ذکر ضرور
کیا ہے، مگر اس جہاد کا ذکر ہے جس کا وجوب یا جواز بہت سی
شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ کچھ مولوی اسماعیل صاحب نے
سکھوں یا ہندوؤں یا انگریزوں کا ذکر نہیں کیا۔ پس ان کی
ایسی کتاب میں سے جو فقہ کی اور کتابوں کی مانند جہاد کی
فصل پر بھی مشتمل ہے ڈاکٹر صاحب کا خاص اس فقرہ کو نقل
کرنا اور اس پر یہ رائے دینا کہ یہ انگریزوں کی نسبت ہے
ہرگز ڈاکٹر صاحب کے شایان حال نہیں ہے۔ جہاں مولوی
اسماعیل صاحب نے حکام کے انصاف، اہلِ معاملات کی دیانت اور
مال داروں کی سخاوت کا ذکر کیا ہے وہاں مولوی اسماعیل صاحب
نے خاص مسلمان حاکموں کا انصاف وغیرہ مراد نہیں لیا بلکہ
علی العموم اس کا یہ مطلب ہے کہ جو لوگ خواہ وہ کسی
مذہب کے ہوں ان صفات کے ساتھ موصوف ہوں گے وہ خدا کے
فضل و کرم کے مستحق ہوں گے۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اس بات پر بھی گرفت کی ہے کہ
مولوی اسماعیل صاحب نے اپنی کتاب میں ہندوستان کی اس

حالت سے جو سولھویں اور سترھویں صدی میں تھی اور اس حالت سے جو انیسویں صدی میں ہے باہم مقابلہ کیا ہے ۔ مگر مقام تعجب کا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس رائے کے ظاہر کرتے وقت اس بات کا خیال نہ کیا کہ اٹھارویں صدی کے وسط زمانہ تک تو ہندوستان میں مسلمانوں ھی کی حکومت رھی تھی اور مولوی اسماعیل صاحب نے اپنے اس بیان میں اُس عہد کو بھی ۱۸۱۸ء کی مانند برا بیان کیا ہے ۔ پس اگر مولوی اسماعیل صاحب کے بیان کی نسبت یہ گرفت صحیح خیال کی جاوے تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر مولوی اسماعیل صاحب اٹھارویں صدی کے وسط میں ھوتے تو وہ خود اپنی ھی گورنمنٹ کے حق میں جہاد کا وعظ کہنا کیسے جائز سمجھتے ۔ ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے لفظ ''دار الحرب'' کے ترجمہ کی صحت کا بھی خیال نہیں فرمایا ۔ کیوں کہ انھوں نے اُس کا ترجمہ ''دشمن کے گھر'' لکھا ہے اس لیے کہ اس صورت میں انھیں کے دلائل کے بہ موجب وہ تمام مسلمانوں کو بغاوت سے باز رکھتا ہے ۔

جو مضمون اس عالم ڈاکٹر نے انگلش مین مطبوعہ ۱۶ مئی ۱۸۷۱ء میں چھپوایا ہے اس کا بھی خلاصہ ذیل میں لکھا جاتا ہے :-

''ہم یہ بات ثابت کر چکے ھیں کہ مسلمانوں کی تمام معتبر کتابوں کے بہ موجب ہندوستان دار الاسلام نہیں رھا بلکہ وہ دارالحرب ھوگیا ہے ۔ پس جو مسلمان رعایا اب زیادہ پُر جوش ہے خود اُس کے حق میں بھی اور نیز ھمارے حق میں بھی یہ بات کچھ خفیف نہیں ہے کہ ہندوستان اب دارالحرب ھوگیا ہے اور اس صورت میں آن پر ھم سے بغاوت کرنا اور اُس کو پھر

دارالاسلام بنانا فرض نہیں ہے ۔ مگر ہم اپنے پہلے
مضامین میں یہ بات ثابت کر چکے ہیں کہ ہندوستان
اب دشمن کا ملک ہے ، اس سبب سے اس زمانہ کے
مسلمانوں کو اپنی کتابوں کے بہ موجب فرض ہے کہ
وہ ساکت رہیں کیوں کہ اس کی جواب دہی ان کے
ذمہ نہیں ہے بلکہ اُس خدا کی مشیت غالب ہے اور
بناوٹ کرنے سے جن خطرات کا احتمال اُن کے مذہب کی
نسبت ہے وہ احتمال اس بات پر اُن کو مجبور کرتا ہے
کہ وہ جہاد کو اب ناجائز سمجھیں ۔''

''صراط مستقیم'' ان چودہ کتابوں میں سے پہلی کتاب ہے
جن کی نسبت ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ٦٦
میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ :

''جن کتابوں کے وہابی لوگ زیادہ معتقد ہیں اُن کے
نام سننے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اُن میں
بغاوت اور فساد کا ذکر ہے ۔''

مگر میں اپنے پہلے مضمون میں یہ بات بہ خوبی ثابت
کر چکا ہوں کہ اس کتاب کو گورنمنٹ انگریزی پر جہاد
کرنے سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔

ایک اور مقام پر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب کے
صفحہ ٦٥ و ٦٦ میں پشین گوئیوں کے ایک نظم رسالہ کا ذکر
کیا ہے مگر میری دانست میں جو مطلب اُس کا ڈاکٹر ہنٹر
صاحب نے بیان کیا ہے وہ محض غلط ہے ۔ اس لیے کہ وہ رسالہ
اور وہ مثنوی جس کو مولوی کرم علی ساکن کان پور نے تصنیف
کیا تھا ١٨٢٤ء اور ١٨٣٠ء کے درمیان اُس وقت تصنیف
ہوئی تھی جب سید احمد صاحب سکھوں پر جہاد کر رہے تھے ۔

پس ایسی کتابوں اور ایسے رسالوں کے ذکر کرنے سے بجز اس کے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب کی رونق تصور کی ہے اور کچھ فائدہ نہیں ہے اور جن دلائل سے انھوں نے اس امر کا ثبوت چاہا ہے کہ ملکہ معظمہ پر جہاد کرنا مسلمانوں کا فرض ہے اُن دلائل کو ان رسالوں اور قصیدوں کے ذکر سے کچھ بھی تقویت نہیں ہوتی اور جب اُن رسالوں کے معنی کو غور سے دیکھا جاتا ہے تو کوئی بات اُن میں ایسی نہیں معلوم ہوتی جس کی نسبت یہ گمان ہوسکے کہ وہ گورنمنٹ انگریزی سے لوگوں کو باغی بنانے کے لیے لکھے گئے تھے اور اگر اس مضمون کے دیکھنے والے اس بات کا خیال کریں کہ یہ رسالے کس زمانہ میں تصنیف ہوئے تھے تو اُن کو خود ہی معلوم ہو جاوے گا کہ ان میں در اصل کن لوگوں سے خطاب ہے اور اسی سبب سے میں ڈاکٹر صاحب کے اس فقرہ کی صحت و عدم صحت کا تصفیہ ناظرین حق پسند کی منصفانہ رائے پر چھوڑتا ہوں کہ :

> ''وھابیوں نے نظم و نثر میں انگریزوں پر جہاد کرنے کے باب میں اس کثرت سے کتابیں تصنیف کی ہیں کہ اگر اُن سب کا نہایت مختصر خلاصہ کیا جاوے تو بھی ایک بڑے حجم کی کتاب تیار ہو ۔''

تیسری کتاب شرح وقایہ عربی ہے جس کو میں اور تمام ہندوستان کے مسلمان جانتے ہیں اور جس کو تصنیف ہوئے بھی کئی سو برس کا عرصہ ہوچکا ہے ۔ یہ کتاب حنفیوں کی فروعات میں ہے اور قطع نظر اس کے کہ وہ وھابیوں کے نزدیک معتبر ہے یا غیر معتبر یہ بات ظاہر ہے کہ وہ ہندوستان میں اس فرقہ کے پیدا ہونے سے بہت پہلے موجود تھی اور اس میں جہاد کی بابت

صاف یہ لکھا ہے کہ وہ سچے مسلمانوں پر اس وقت فرض ہے
جب کہ کفار مسلمانوں کو ایذا پہنچاویں چناں چہ اس بات کو
خود ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے بھی اپنی کتاب کے صفحہ ٦٦ میں
صراحۃً تسلیم کیا ہے۔

چوتھی کتاب شاہ نعمت اللہ ولی کشمیری کا (جنھوں نے
۱۰۲۸ھ مطابق ۱٦۱۸ء میں وفات پائی) ایک پرانا قصیدہ ہے جس
میں انھوں نے بہ طور پیشین گوئی یہ لکھا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی
کو ایک وقت عین زوال ہوگا اور اسی قسم کی اس میں اور چند
پشین گوئیاں ہیں جن کا ذکر ڈاکٹر صاحب نے صفحہ ٦۳ میں
کیا ہے مگر تعجب کی بات ہے کہ جس مقام پر پہلے ڈاکٹر صاحب
نے وھابیوں کے عقائد کا حال بیان کیا تھا وھاں انھوں نے
یہ بھی لکھا تھا کہ وھابی لوگ اولیاء اللہ کی کرامات کے قائل
نہیں ہیں۔ پھر کیوں کر ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ بیان صحیح
ہو سکتا ہے کہ وھابی لوگ اولیاء اللہ کی اس غیب دانی کے
معتقد ہیں۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جو لوگ وھابیت کے خلاف
قبر پرستی کرتے ہیں وہ بھی اس کے قائل نہیں ہیں اس لیے کہ
اس قسم کی باتیں تو اکثر نجومی اور رمال و جفار لوگ بیان
کرتے ہیں اور اگر خدا کے نیک بندے کوئی ایسی پیشین گوئی
کرتے بھی ہیں تو ان کی نیت میں فساد نہیں ہوتا۔ چناں چہ دیکھو
اکثر عیسائی پادری بھی دنیا کے انجام کی نسبت اپنی رائے ظاھر کیا
کرتے ہیں اور سلطنت روم و فرانس وغیرہ کے زوال کی بابت
پیشین گوئیاں کرتے ہیں اور پیشین گوئیوں کو سینٹ جان کے
الہام پر مبنی سمجھتے ہیں۔ چناں چہ جو لوگ تھوڑی سی بھی
عقل و فہم رکھتے ہیں وہ بھی ایسی پیشین گوئیوں کو کسی
حالت میں بھی قابل اعتماد نہیں سمجھتے اور خاص وھابیوں کا تو یہ

عقیدہ ہے کہ پشین گوئی ہرگز قابل اعتبار نہیں ہوتی کیوں کہ علم غیب کا ثبوت اور بشر کے واسطے تو کیا خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے بھی نہیں ہے چناں چہ خود قرآن پاک میں خاص آن حضرت صلعم کی نسبت لکھا ہے کہ ”قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ و لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء۔ ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون“ یعنی کہہ دو تم اے محمد رسول اللہ لوگوں کو کہ مجھ کو خود اپنی ذات کے نفع اور نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں ہے۔ بلکہ جو خدا چاہے وہی ہوتا ہے، اور میں کوئی غیب کی بات نہیں جانتا اور اگر میں علم غیب رکھتا ہوتا تو بہت سی بھلائی کی باتیں جمع کر لیتا اور اپنے اوپر کوئی برائی نہ آنے دیتا۔ میں کوئی غیب دان یا فرشتہ یا برائی بھلائی کا مالک نہیں ہوں بلکہ میں تو صرف مومنوں کو بشارت دینے والا اور عقبیٰ کی خرابیوں سے ڈرانے والا ایک آدمی ہوں۔

پانچویں کتاب قیصر روم ہے۔ اس کو بھی وہابیوں کے اعتقادات سے کچھ علاقہ نہیں ہے کیوں کہ یہ ایک تاریخ کی کتاب ہے جس کو گورنمنٹ روم کے ایک ملازم ابراہیم آفندی نے عربی زبان میں لکھا تھا۔ پھر اس کا خلاصہ بہ زبان فارسی ۱۲۲۱ھ مطابق ۱۸۶۳ء کو کانپور میں چھاپا چناں چہ من جملہ اور باتوں کے اس کتاب میں ان لڑائیوں کا بھی ذکر ہے جو سلطان محمود اول کے عہد میں وہابیوں اور ترکوں کے باہم ہوئی تھیں۔

چھٹی کتاب آثار محشر ہے جس کو مولوی محمد علی صاحب نے تصنیف کیا تھا۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس کی نسبت تحریر فرماتے

ہیں کہ :

"اس کتاب میں یہ پشین گوئی کی گئی ہے کہ پنجاب کی سرحد پر خیبر کی پہاڑیوں میں ایک ایسی لڑائی ہوگی کہ ابتداء میں انگریز مسلمانوں کو مغلوب کریں گے اور مسلمان مغلوب ہو کر اپنے امام موعود کی تلاش کریں گے ۔ بعد اس کے ایک اور لڑائی ہوگی جو چار روز تک رہے گی اور اس لڑائی میں مسلمان فتح یاب ہوں گے اور انگریزوں کو ایسی شکست فاش ہوگی کہ اس کے سبب سے انگریزوں کے دماغوں میں سے اپنی حکومت کا خیال جاتا رہے گا ۔ اس کے بعد امام مہدی علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور جو مسلمان اس وقت میں حاکم ہوں گے وہ امام صاحب سے ملنے کے لیے مکہ معظمہ جاویں گے اور یہ واقعات بعد اس کسوف و خسوف کے واقع ہوں گے جو ماہ رمضان میں ہوں گے ۔"

مگر میں حیران ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بات کہاں سے نکالی ہے ۔ میرے ذہن میں تو بجز اس کے اور کچھ نہیں آتا کہ یا تو ڈاکٹر صاحب اپنے اس بیان سے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور یا وہ نہایت درجہ کے ناواقف ہیں کیوں کہ اُن کے ذمہ ان دونوں الزاموں میں سے ایک ضرور عائد ہوتا ہے ۔ حالاں کہ میرے علم و یقین میں یہ دونوں باتیں ڈاکٹر صاحب کی شان سے بعید معلوم ہوتی ہیں اب میں اپنے ناظرین مضمون کے ملاحظہ کے واسطے آثار محشر کا خلاصہ مطلب ذیل میں درج کرتا ہوں اور اس بات سے ان کو متنبہ کرتا ہوں کہ ایسی ہی خیبر کی پہاڑیاں جن کے سبب سے

دھوکا دھی یا ناواقفیت کا الزام ڈاکٹر صاحب پر عائد ھوتا ھے۔ حوالی مدینے منورہ میں بھی واقع ھیں اور وہ بھی خیبر کی پہاڑیاں۔ مشہور ھیں ۔ خلاصہ مذکور یہ ھے :

”قیامت کے قریب سلطان روم اور ایک عیسائی بادشاہ میں لڑائی ھوگی ۔ اس لڑائی میں سلطان روم کو دو عیسائی بادشاہ مدد دیں گے (جس طرح پر کریمیا کی لڑائی میں سلطان روم کو مدد دی گئی تھی) چناں چہ وہ لڑائی شام کے میدانوں میں ایک عرصہ تک ھوتی رھے گی اور اثناء جنگ میں کبھی کسی کو اور کبھی کسی کو فتح یابی ھوگی ۔ مگر انجام کار عیسائی بادشاھوں کی معاونت سے سلطان روم کو فتح نصیب ھوگی ۔ اُس کے بعد سلطان روم اور اُن عیسائی بادشاھوں میں اس بات پر تنازع ھوگا کہ یہ فتح مجھ کو ھوئی ھے اور وہ کہیں گے یہ فتح ھم کو ھوئی ھے اور انجام اس نزاع کا یہ ھوگا کہ یہ دونوں عیسائی بادشاہ جو سلطان روم کے رفیق بنیں گے اس بادشاہ کے موافق ھو کر جو سلطان روم کا مخالف ھوگا پھر سلطان روم کو شکست دیں گے اور سلطنت روم پر قبضہ کرکے اپنی حکومت خیبر کی اُن پہاڑیوں تک پھیلا دیں گے جو مدینہ منورہ کے قریب واقع ھیں ۔ پس جب نوبت یہاں تک پہنچے گی تو مسلمان یہ سمجھ کر امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کریں گے کہ اب ان کے ظہور کا زمانہ آ گیا ھے اور امام مہدی علیہ السلام اُس زمانہ میں مدینہ منورہ میں ھوں گے ۔ بعد چندے وھاں سے مکہ معظمہ کو تشریف

لے جائیں گے اور مکہ معظمہ میں تمام مسلمان اُن کے
پاس جمع ہو جاویں گے اور چند روز بعد ایک خراسانی
امیر ایک جمّ غفیر کے ساتھ امام مہدی علیہ السلام
کے پاس آوے گا امام مہدی اُس کی مدد سے عیسائیوں
کو شکست دیں گے اور مسلمانوں کی حکومت تمام
دنیا میں قائم کریں گے - اسی عرصہ میں دجال نا بکار
پیدا ہوگا اور مسجد دمشق میں اس دجال کے ہلاک
کرنے کے واسطے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے
نزول فرمائیں گے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور
حضرت امام مہدی علیہ السلام مل کر دجال کو
ہلاک فرماویں گے - اس کے بعد چند اور ایسے ہی
امور ظہور میں آویں گے اور پھر ہنگامہ قیامت
برپا ہوگا -''

پس خیبر کی پہاڑیوں کا تو یہ حال ہے جو میں نے بیان کیا
اور اس کتاب کی نسبت میری رائے یہ ہے کہ اُس کے اکثر
مضامین مسلمانوں کے اعتقاد میں ایک روایت کا حکم رکھتے ہیں
اور بڑے بڑے علماء و فضلاء بھی اُس کو کچھ قطعی حکم نہیں
سمجھتے اور میرا عقیدہ بھی اس کی نسبت ایسا ہی ہے -

جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی
کتاب میں کیا ہے اُن میں سے ساتویں کتاب ''تقویۃ الایمان'' ہے
چناں چہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے
رسالہ (جلد ۱۳ ، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا - مگر اس کتاب کو
وہابیت یا جہاد سے کچھ تعلق نہیں ہے اور اس امر کی تصدیق
اُس کے انگریزی ترجمہ کو پڑھ کر ہر ایک انگریز کر سکتا ہے -

آٹھویں کتاب ایک تذکرہ ہے مگر میں نے نہ اس کتاب کا

نام سنا اور نہ مجھ کو یہ معلوم ہوا کہ اس نام کی کوئی کتاب مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی نے تصنیف کی تھی ۔ البتہ اس کے نام سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس میں کچھ نصیحت آمیز باتیں لکھی ہوں گی ۔

نویں کتاب ''نصیحۃ المسلمین'' ہے اور اس میں پانچ باب ہیں ۔ پہلے باب میں تو بت پرستی کا حال لکھا ہے ۔ دوسرے باب میں اس فعل کی مذمت لکھی ہے ۔ تیسرے باب میں یہ لکھا ہے کہ کسی مخلوق کو مثل خدا کے سمجھنا بت پرستی میں داخل ہے ۔ چوتھے باب میں مشرق کے مسلمانوں کے شرک آمیز طریقوں کا ذکر ہے ۔ پانچویں باب میں اس عذاب کا ذکر ہے جس کے بت پرست عاقبت میں مستحق ہوں گے ۔ مگر اس تمام کتاب میں میری نظر سے ایک فقرہ بھی ایسا نہیں گزرا جس سے یہ بات ترشح ہوتی ہو کہ اس میں گورنمنٹ پر جہاد کرنے کی ترغیب ہے ۔

دسویں کتاب ''ہدایۃ المومنین'' ہے ۔ اس نام کی جس کتاب کو میں جانتا ہوں وہ صرف تعزیہ داری کے ذکر میں ہے ۔

گیارھویں کتاب عربی زبان کی ''تنویر العینین'' ہے جو کسی زمانہ میں مع اردو ترجمہ کے کلکتہ میں چھپی تھی ۔ اس کتاب میں کہیں جہاد کا نام و نشان بھی نہیں ہے بلکہ اس میں صرف اس امر کا بیان ہے کہ مسلمانوں کو نماز میں رفع یدین کرنا چاہیے ۔ چناں چہ پورا نام اس کتاب کا ''تنویر العینین فی اثبات رفع الیدین'' ہے اور اس کے معنی یہ ہیں ''روشنی آنکھوں کی رفع یدین کے ثبوت میں'' لیکن بڑا تعجب یہ ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اس کتاب کو جہاد سے کیوں منسوب کیا ہے ۔

بارھویں کتاب ہے جس کو شاہ سید احمد اور مولوی

محمد اسماعیل صاحب کے پیدا ہونے سے بہت پہلے شاہ ولی اللہ صاحب دھلوی مولوی محمد اسماعیل صاحب کے دادا نے (جنھوں نے ۱۱۷۴ھ مطابق ۱۷۶۰ء میں وفات پائی) تصنیف کیا تھا۔ یہ احکام تقلید اور اجتہاد میں ہے۔ اس کتاب میں بھی جہاد کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ بلکہ اس میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ آیا انسان کو دینیات میں اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لینا چاہیے یا پہلے لوگوں کی تقلید کرنی چاہیے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس عالم ڈاکٹر نے لفظ اجتہاد اور جہاد کو ایک معنی میں سمجھا ہے۔ جس کے سبب سے اُن کو یہ غلطی ہوئی ہے۔

تیرھویں کتاب ''تنبیہ الغافلین'' ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے اُردو کا جس کو شاہ سید احمد صاحب نے اپنے پیروؤں اور اور مسلمانوں کی ھدایت کے واسطے لکھا تھا۔ اس کتاب کے دیباچہ میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر ہے اور اس بات کی ھدایت ہے کہ دنیا محض ایک نا پائدار شے ہے اُس کا لالچ ھرگز نہ کرنا چاہیے اور باقی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں پر یہ بات فرض ہے کہ وہ کسی مخلوق کو معبود نہ سمجھیں۔ مگر اس میں جہاد سے کچھ بحث نہیں ہے۔

چودھویں کتاب ''اربعین'' ہے۔ مگر یہ اربعین ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی مثل ہم اور بہت سی کتابیں دیکھتے ھیں کیوں کہ وہ صرف ان چالیس حدیثوں کا نام ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں سے منتخب کی گئی ھیں۔ پس آج تک میں نے کوئی چہل حدیث ایسی نہیں دیکھی جس کو کسی وھابی مولوی نے تالیف کیا ھو اور اس میں جہاد کی ترغیب ھو۔

اب میں وھابیوں کی اس تحریر کا ذکر کرتا ھوں جو ہندوستان کے مسلمانوں کی ھجرت کے باب میں ھے اور جس کا تذکرہ ڈاکٹر ھنٹر صاحب کی کتاب کے صفحہ ۷۰ میں موجود ھے۔ ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے اس کے اول حصہ کو کلکتہ ریویو کے صفحہ ۲۹۴ سے لیا ھے اور دوسرے حصہ کو جامع التفاسیر سے (اور کلکتہ ریویو کے صفحہ ۳۹۱ میں وہ دوسرا حصہ بھی موجود ھے) مگر اس اول حصہ میں جو فقرہ صاحب راقم کلکتہ ریویو نے سب سے پہلے لکھا ھے ھم کو اس کی سند نہیں معلوم ھوئی کہ وہ کس کتاب سے لکھا ھے۔ وعلیٰ ھذا القیاس جو حصہ جامع التفاسیر سے نقل ھوا ھے وہ بھی تصرف سے خالی نہیں معلوم ھوتا کیوں کہ جو ترجمہ مصنف جامع التفاسیر نے قرآن کی اس آیت کا کیا ھے "قل یا عبادی الذی آمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنة و ارض اللہ واسعة۔ انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب" وہ تو صرف یہ ھے (کہہ دو تم اے پیغمبر خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے بندوں سے کہ اے بندو ڈرو تم اپنے رب سے اور جان لو تم اس بات کو کہ جو لوگ دنیا میں نیکوکار ھیں ان کے لیے عقبیٰ میں بھی عیش ھیں اور خدا کی زمین بہت وسیع ھے۔ جو لوگ تکلیف و اذیت پر صبر کرتے ھیں ان کو خدا تعالیٰ پورا اجر دیتا ھے) اور اس ترجمہ میں صاحب جامع التفاسیر نے اور مفسرین کی رائے سے اتفاق کرکے اس فقرہ کی شان نزول میں "خدا کی زمین وسیع ھے" یہ لکھا ھے کہ جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرووں یعنی مسلمانوں کو ابتداء اسلام میں اھل مکہ سے اذیت پہنچی تو آں حضرت نے ان مسلمانوں سے یہ ارشاد فرمایا کہ تم والیٔ حبش کی

حکومت میں چلے جاؤ - حالاں کہ اس زمانہ میں حبش کا حاکم ایک عیسائی تھا - چناں چہ خدا کے اس کلام میں آں حضرت کے اس حکم کی طرف اشارہ ہے -

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کی کتاب میں وھابیوں کی تحریر مذکور کے ایک اور فقرہ کا ترجمہ درج ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے جو اس ترجمہ میں گلا گھونٹنے کا ذکر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے - صحیح ترجمہ اس کا صرف یہ ہے کہ :

"اگر ہم سچی بات کہیں تو وھابیت کے مخالف مسلمان ھی ھماری زبان پکڑیں گے -"

علاوہ ازیں اس کے مصنف نے خدا سے یہ دعا مانگی ہے کہ جیسے میرے استاد حضرت مولوی اسحاق صاحب کو مکہ معظمہ کی مٹی نصیب ھوئی اسی طرح مجھ کو بھی مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی خاک نصیب ھو - پس جو شخص اس مضمون کو پڑھے گا اس کو یہ بات ضرور معلوم ھوگی کہ اپنے مذھب کا پکا اور اپنے دین کا متدین آدمی ھمیشہ ایسی ھی آرزوئیں کیا کرتا ہے اور حتی الامکان اوروں کو بھی اس کی ھدایت کرتا رھتا ہے -

اب ھم راقم کلکتہ ریویو کے اس فقرہ کو بھی نقل کرتے ھیں جس کو ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے کسی مصلحت سے چھوڑ دیا ہے - وہ فقرہ یہ ہے کہ :

"ھجرت کا مسئلہ کچھ خاص اسلام ھی سے متعلق نہیں ہے بلکہ عیسائی مذھب میں بھی اس کا وجود ہے - چناں چہ مسلمانوں میں مشتاقان زیارت کا اور عیسوی مذھب میں رومن کیتھولک کے پیرووں کا اور ان لوگوں کا جو یروشلیم میں مرنے کو ثواب کی بات جانتے تھے ایک سا ھی مطلب معلوم ھوتا ہے

کیوں کہ یہ سب لوگ اس بات کے دل سے خواہاں
ہوتے ہیں کہ ہماری زندگی کے آخری ایام کسی ایسی
بزرگ اور مقدس جگہ میں بسر ہوں جہاں ہم
عصیاں کاری سے محفوظ رہیں ۔''

پس اگر ہندوستان سے ہجرت کرنے کے مسئلہ کی کچھ اصل ہوتی تو جن مسلمان لوگوں کو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے مفسدہ پرداز اور گورنمنٹ کے حق میں ایک خطرناک چیز بیان کیا ہے وہ یہاں کیوں ٹھہرتے ۔ سیدھے مکہ ہی کو نہ جاتے ۔

ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۷۵ میں وہابی مسلمانوں کے جن چار فرقوں کا ذکر کیا ہے اب ہم ان میں سے تیسرے فرقہ یعنی مولویوں کا ذکر کرتے ہیں اور ڈاکٹر صاحب کے دو فقروں کو بھی اس غرض سے نقل کرتے ہیں کہ ناظرین مضمون ان کو پڑھ کر ذرا ڈاکٹر صاحب کی رائے کی وقعت کا اندازہ کریں ۔ وہ فقرے یہ ہیں :

''میں نہایت افسوس کروں گا اگر کوئی شخص یہ
خیال کرے گا کہ میں نے لفظ وہابی کو مفسد کے
معنی میں لکھا ہے ۔ ہندوستان میں حکومت انگریزی
کی گویا یہ بد نصیبی ہے کہ اگر مسلمانوں کی تہذیب کا
ارادہ کیا جاوے تو یہاں کے مسلمان کافر فتح مندوں
کے دشمن بن جاویں گے اور جہاں کہیں مسلمان اپنے
مذہبی مسائل کو از سر نو تازہ کرنا چاہتے ہیں
وہاں کے حکام سے ضرور بغاوت کرتے ہیں ۔''

مگر کیسے افسوس کی بات ہے کہ ابھی وہ یہ کہہ چکے ہیں کہ وہابیت سے مفسد پردازی میری مراد نہیں ہے اور ابھی وہ یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو بغاوت لازم ہے ۔ اس لحاظ سے

وہ صرف پانچ صفحوں میں بھی اپنی رائے کو ایک طرح پر نہیں لکھ سکے اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی تحریر میں مذہب اسلام کو مورد الزام بنایا ہے جس کو میرے ثبوت نے بالکل باطل کر دیا ہے۔ مگر صاحب موصوف کی طبیعت میں وھابیوں کی سازش اور جہاد کا خیال ایسا سمایا ھوا ہے کہ علی العموم جو بات مذھب اسلام کی ھوتی ہے وہ اس کو لوٹ پھیر کر اپنے ھی کلام اور مطلب کا موید بنا لیتے ھیں اور گو میری یہ رائے ہے کہ جس مسئلہ کو ڈاکٹر ھنٹر صاحب نے اس پچھلے فقرہ میں بیان کیا ہے اس کو کسی طرح وھابیت سے علاقہ نہیں ہے لیکن تاھم میں اس بات کو بلا شبہ تسلیم کرتا ھوں کہ بعض وھابی ایسے متعصب ھوتے ھیں کہ وہ صرف کافروں ھی کو نہیں بلکہ ان مسلمانوں کو بھی ذلیل و حقیر سمجھتے ھیں جو اُن کے عقیدہ کے خلاف عقیدہ رکھتے ھیں اور خود وہ اھل سنت و جماعت مسلمان بھی جو وھابی نہیں ھیں وھابیوں کے نزدیک برے خیال کیے جاتے ھیں حالاں کہ وھابی خود بھی اھل سنت کہلاتے ھیں۔ چناں چہ متعصب وھابی ایسے لوگوں سے ملنے جلنے یا اُن سے محبت رکھنے اور اُن کے رنج و راحت میں شریک ھونے بلکہ اُن کے ساتھ نماز پڑھنے تک کو برا جانتے ھیں۔ لیکن درحقیقت ایسے متعصب وھابی منافق لوگ ھیں اور ان کی رائیں سراسر غلطی پر مبنی ھیں اور اُن کے ایسے قول و فعل خاص اُن ھی کی ذات سے علاقہ رکھتے ھیں کچھ وہ وھابیت کے اصول نہیں ھیں۔

مگر ڈاکٹر صاحب کو اس بات کی خبر نہیں ہے کہ جیسے بعض وھابی متعصب ھیں ایسے ھی بہت سے پکے وھابی اور وھابیوں کے علاوہ اور مسلمان جو وھابیت کی جانب میلان خاطر

رکھتے ہیں ایسے بھی ہندوستان میں موجود ہیں کہ جس طرح اپنے وہابیت کے خالص عقیدہ کو خداوند تعالیٰ کے ساتھ پاک و صاف رکھتے ہیں اسی طرح وہ اس بات کو بھی اپنی بھلائی کا باعث جانتے ہیں کہ ہمارے اس خالص عقیدہ کا اثر ہمارے ہم جنسوں کی نسبت بھی ایسا ہی ہو اور دنیا میں سب لوگ خلوص و اتحاد سے رہیں اور جس طرح سے وہ اپنے عقیدہ کو خدا کی رحمت کا سبب جانتے ہیں اسی طرح وہ اس کو دنیا میں بھی باہمی رحمت و محبت کا منشاء خیال کرتے رہیں - پس میری دانست میں جو لوگ ایسے ہیں ان کے اتباع سے اور لوگوں کو ضرور فائدہ ہوگا اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر تھوڑے سے وہابی متعصب ہیں تو بہت سے نیک نیت اور صاف دل بھی موجود ہیں - پس اس صورت میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ قول کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا کہ علی العموم مسلمانوں کے مذہب کی تہذیب اس بات کی موجب ہے کہ مسلمانوں کے دل میں کافر فتح مندوں کی طرف سے بغض و عداوت پیدا کرے - میں دل سے یقین کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی مذہبی تکمیل کے اور اپنی گورنمنٹ کے ساتھ خیر خواہی کرنے کے گویا ایک ہی معنی ہیں -

۸۷ صحفہ میں جہاں ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے وہابیوں کی چوتھی جماعت کا ذکر کیا ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر ضلع میں باغیوں کی ایک جماعت اس غرض سے موجود ہے کہ روپیہ اور آدمی جمع کرے اور اس کو جہاد کے صرف کے واسطے مہیا رکھے - چناں چہ اُن کے جس فقرہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے :

''اس نے ہر ایک گھر کے سرپرست کو یہ حکم دیا

کہ وہ ہر شخص کی خوراک میں سے ایک مٹھی
خدا کے نام کی بھی نکال لیا کرے۔"

مگر میری دانست میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے یہ ایک ایسے فرضی لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے بڑھ کر آج تک دنیا میں کوئی قوم شائستہ اور ہمدرد نہیں ہوئی کیوں کہ ہندوستانی لوگ تو مدت مدید سے استقلال مزاج اور دور اندیشی اور اتفاق اور خاموشی اور رازداری اور عوام کی طبیعتوں پر حاوی ہونے کے طریقوں کو بھول گئے ہیں اور جب تک یہ سب باتیں کسی قوم میں نہ ہوں اُس وقت تک جیسی سازش کا خیال ڈاکٹر ہنٹر صاحب ہندوستان کے وہابیوں کی نسبت کرتے ہیں ایک ہفتہ بھی قائم نہیں رہ سکتی اور ہندوستان تو کیا یہ وہ صنعتیں ہیں کہ یونان اور روم کی نامی ہمدرد قوموں میں بھی نہیں ہوئیں ۔ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے اس خیال کی اصل صرف اس قدر ہے کہ کسی زمانہ میں سکھوں پر جہاد کرنے کے واسطے ایک اتفاق ہوا تھا اور اُس سے گورنمنٹ بھی واقف تھی ۔ مگر اُس کو بغاوت سے کچھ سروکار نہ تھا ۔ گورنمنٹ کے ساتھ بغاوت کرنے کا تو ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ہی طومار باندھا ہے ۔ مگر خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ انگریزوں کی ذی ہوش اور حق پسند قوم نے اپنی دانائی کے سبب سے ان کی تحریر پر کچھ التفات نہیں کیا ۔

دوسرے باب کے اخیر میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے ان سرکاری تحقیقاتوں کا ذکر کیا ہے جو وہابیوں کی سازش کے باب میں کی گئیں مگر میں ان تحقیقاتوں کے نتیجہ کی نسبت اس سبب سے کچھ رائے نہیں دیتا کہ آئندہ خود وہ زمانہ ہی آجاوے گا جس میں ان تحقیقاتوں کی حقیقت کھل جائے گی ۔

مجھ کو اس وقت ان کی نسبت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ۔
نہاں کے ماند آں رازے کز و سازند محفلہا

تیسرے باب کے شروع میں ہم کو بجز اس کے اور کوئی چیز نہیں معلوم ہوئی کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنی علمی لیاقت کو ظاھر کیا ھے اور عبارت آرائی کے ساتھ پیچیدہ بیان میں مطلب کو دقیق کر دیا ھے حالاں کہ جس صاف اور سیدھی بات کو انھوں نے اس قدر پیچیدگی کے ساتھ بیان کیا ھے وہ در اصل ایسی پیچیدہ ھے ۔ اس کے بعد انھوں نے چند ایسے فتووں کا ذکر کیا ھے جو گزشتہ سنوں میں ملکہ معظمہ پر جہاد کرنے کی بابت ہوئے تھے اور جو مطلب ڈاکٹر صاحب کے ان فتووں کا ھے ، اس کو صاحب موصوف نے اپنی معمولی عادت کے مطابق ایک خیالی اور فرضی طور سے بیان کیا ھے ۔ مگر چوں کہ اس باب میں مسلمانوں کے ایسے فعل کا سبب میں پہلے ھی بیان کر چکا ھوں اس لیے دوبارہ کچھ لکھنے کی مجھ کو ضرورت نہیں ھے ۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے شیعہ لوگوں کا کچھ ذکر لکھا ھے اور جو تعریف ان لوگوں کی ، کی ھے گو وہ بھی مشروط بہ شرائط ھے لیکن میں اس طرح سے بھی خوش ھوں ۔ کیوں کہ میری دانست میں یہی غنیمت ھے کہ اس عالم ڈاکٹر نے مسلمانوں کے ایک فرقہ کی تو تعریف کی ۔ چناں چہ میں ان کی اسی قدر مہربانی اور رحم کا شکر گزار ھوں ۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اپنے کمال علمی اور تیزیٔ فہم سے یہ بات ثابت کی ھے کہ ھندوستان اب دارالحرب ھے اور جو رائے ھندوستان کے دارالاسلام ھونے کی نسبت کلکتہ کی اسلامی مجلس نے دی تھی اس کو بہت سے دلائل سے باطل کیا ھے ۔ چناں چہ جو دلائل اس رائے کی ابطال میں اس عالم ڈاکٹر نے بیان کیے ھیں ان سے میں بھی اتفاق کرتا ھوں

و لیکن ساتھ ھی اس کے میں یہ بات کہتا ھوں کہ اگر مجلس مذکور نے ہندوستان کا دارالاسلام ھونا اُس کے لغوی معنی کے لحاظ سے ثابت کیا ھے تو مجھ کو اس کی رائے سے اتفاق نہیں ھے اور اگر اُس نے اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ثابت کیا ھے تو میں اُس کی رائے سے اتفاق کرتا ھوں - کیوں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ کوئی ملک لفظ دارالاسلام یا دارالحرب کے لغوی معنی کے لحاظ سے یا دارالاسلام ھو سکتا ھے یا دارالحرب ھو سکتا ھے اور کوئی حالت متوسط ان دونوں کے درمیاں نہیں نکل سکتی تو اس کا یہ خیال بالکل غلط ھے - البتہ یہ بات صحیح ھے کہ حقیقی دارالاسلام وھی ملک ھے جس پر دارالحرب صادق نہ آتا ھو اور حقیقی دارالحرب وہ ھے جس پر دارالاسلام صادق نہ آتا ھو - مگر ایک صورت سے بعض ملک ایسے ھیں جو ایک اعتبار سے دارالاسلام اور ایک اعتبار سے دارالحرب بھی ھو سکتے ھین - چناں چہ ھندوستان بھی آج کل ایسا ھی ملک ھے -

جہاد کے باب میں میرا سب سے پہلا مضمون تو رسالہ نمبر ۲ مطبوعہ میرٹھ میں چھپا تھا جس کا نام خیر خواھان مسلمانان ھند تھا اور دوسرا اور تیسرا مضمون اخبار پایونیر مطبوعہ چوتھی و پانچویں اپریل ۱۸۷۱ء مین چھپا تھا اور چوتھا مضمون علیٰ گڈھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مطبوعہ ۱۳ مئی ۱۸۷۱ء مین چھپا تھا اور ایک نہایت عمدہ آرٹیکل ڈاکٹر ھنٹر صاحب کی کتاب کی نسبت پایونیر مطبوعہ ۲۳ نومبر ۱۸۷۱ء میں چھپا تھا جس مین جہاد کی بحث کا گویا خاتمہ ھو گیا - لیکن چوں کہ ھنوز ڈاکٹر صاحب کی دو ایک صریح غلطیوں کی اصلاح اور باقی ھے اس سبب سے اب مین اس کی نسبت کچھ گفتگو کرتا ھوں - صفحہ ۱۲۸ مین ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ھین کہ :

”وھابیوں کا اول عقیدہ یہ ہے کہ اب ھندوستان دشمن کا ملک ھوگیا ہے اور اس سبب سے وہ مسلمان ھندوستان کے حکام پر جہاد کرنا فرض خیال کرتے ھیں۔“

اور اسی مطلب کو ڈاکٹر صاحب نے صفحہ ۱۴۰ میں ذرا تیز عبارت کے ساتھ یوں تعبیر کیا ہے کہ :

”وہ ھندوستان کے وھابی جن کی مذھبی حرارت اُن کی علمی ھدایت سے زیادہ ہے یہ سمجھ کر کہ ھندوستان اُن کے نزدیک اب دشمن کا ملک ھوگیا ہے اپنے حکام پر جہاد کرنا فرض سمجھتے ھیں۔“

پس ڈاکٹر ھنٹر صاحب کا یہ کل بیان ایک سخت اور نا سزا تہمت اس قوم کے حق میں ہے جو ھندوستان کے دارالحرب ھونے ھی کے لحاظ سے گورنمنٹ پر جہاد کرنے کو ناجائز سمجھتی ہے۔ چناں چہ اُس نے اسی خیال سے اب تو کیا ۱۸۵۷ء کے ھنگامہ میں بھی گورنمنٹ پر جہاد نہیں کیا جس کی برابر آج تک ھندوستان میں کوئی ھنگامہ نہیں ھوا۔ پس اگر ڈاکٹر ھنٹر صاحب اب بھی یہ بات کہیں کہ ان کا یہ خیال صحیح ہے تو میں اُن سے اس امر کا ثبوت چاھتا ھوں کہ وھابیوں نے ھندوستان کے رھنے والے انگریزوں پر جہاد کرنا کب جائز سمجھا ہے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مکہ معظمہ کے مولویوں کا کچھ ذکر کیا ہے۔ چناں چہ صفحہ ۱۲۳ پر وہ تحریر فرماتے ھیں کہ :

”یہ بات اس پر اور بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ بڑے بڑے فتووں یعنی مولوی عبدالحی صاحب کے فتوے اور مکہ معظمہ کے مولویوں کے فتویٰ میں علی الخصوص اس بات کا ذکر ہے کہ ھندوستان

دارالاسلام ہے ۔مگر گو انھوں نے بڑے بچاؤ کے ساتھ
اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا کہ اس وجہ سے اُن کو
جہاد کرنا ناجائز ہے"۔

اور پھر صفحہ ١٣٠ میں لکھتے ھیں کہ :

"اسی وجہ سے میں مکہ کے (جو تعصب اور مذھبی
سرگرمی کا گھر ہے) مولویوں کے فتویٰ کی نسبت
جن کا یہ مقولہ ہے کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یہ نہیں
کہہ سکتا کہ انھوں نے اپنی رائے میں کلکتہ کی
اسلامی مجلس کی طرح سے یہ بات ثابت کی ہے کہ
جہاد کرنا ناجائز ہے بلکہ اس بات کو انھوں نے
اپنے ان ہم مذھبوں کی رائے پر چھوڑ دیا ہے جو
ہندوستان میں ھیں تاکہ اُس سے وہ کوئی اور نتیجہ
قائم کر لیں جس کا خلاصہ یہ ھو کہ اس وجہ سے
جہاد کرنا فرض ہے۔"

مگر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ڈاکٹر صاحب نے یہ
اتہام کیوں لگایا ہے اور وہ کس طرح صحیح ھو سکتا ہے۔ اس لیے
کہ اس سوال میں جو مکہ کے مولویوں سے دریافت کیا گیا تھا ،
ہندوستان میں جہاد کی صحت و عدم صحت کا ذکر نہیں ہے اور
جس بات کا سوال میں ذکر ھو اس کو مجیب اپنے جواب میں
کیوں کر بیان کر سکتا ہے۔ پس اس لحاظ سے جو امر ڈاکٹر صاحب
نے خیال کیا ہے وہ نہایت بے جا اور بالکل بے اصل ہے۔

ڈاکٹر صاحب صفحہ ١٣٦ میں لکھتے ھیں کہ :

"ہندوستان دارالاسلام سے دارالحرب مخفی طور پر بن
گیا ہے۔"

اور جو تدبیریں ڈاکٹر صاحب کے قول کے بہ موجب

گورنمنٹ ہند نے ہندوستان کے دارالحرب بنانے کی کی تھیں وہ یہ تھیں کہ اُس نے ہندوستان کے مسلمان صوبوں سے اپنا دامن چھڑایا اور ہندوستان کے سکوں پر انگریزی بادشاہوں کی تصویریں جاری کیں ۔ قوانین اسلام کو منسوخ کیا اور سب سے اخیر وقت میں یہ کیا کہ ایکٹ ۱۱ ، ۱۸۶۴ء کے بہ موجب عہدہ قضا کو توڑ دیا مگر ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی یہ رائے میرے نزدیک صحیح نہیں ہے ۔ کیوں کہ یہ بات سب لوگ جانتے ہیں کہ ہندوستان پلاسی کی لڑائی سے دارالحرب ہوا ہے ۔ اس لیے کہ دارالاسلام سے دارالحرب ہونے کے لیے ہر ملک کو یہ بات کافی ہے کہ اُس کے کافر حکام کو اپنی مرضی کے موافق عمل درآمد کا اختیار حاصل ہو جاوے اور اُس کے موافق عمل کرنا دوسری بات ہے ۔ مگر میں ایسا جانتا ہوں کہ شاید اس موقع پر شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس فتوے کا خیال ڈاکٹر صاحب کو نہیں رہا جو انہوں نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۰ میں نقل کیا ہے اور جس کا ایک فقرہ یہ ہے کہ :

> ”جس وقت کفار کو کسی ملک میں اس قدر قدرت حاصل ہو جاوے کہ وہ اپنی مرضی کے موافق عمل درآمد کر سکیں اور احکام اسلام کے قائم رکھنے اور منسوخ ہونے پر قادر ہو جاویں تو وہ ملک باعتبار سیاست کے دارالحرب ہو جاتا ہے ۔“

حالاں کہ یہ فتویٰ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اس وقت لکھا تھا جب کہ ان اسباب میں سے ایک سبب بھی ظہور میں نہیں آیا تھا جن کو ڈاکٹر صاحب نے اپنی دانست میں ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا باعث قرار دیا ہے ۔ چناں چہ اس کو پچاس برس کے قریب عرصہ بھی گزر گیا ہے ۔

ڈاکٹر صاحب کی ایک اور غلطی قابل اس کے ہے کہ لوگ اس پر توجہ کریں ۔ ڈاکٹر صاحب صفحہ ۱۴۱ میں لکھتے ہیں کہ :

”جو مسلمان زیادہ تربیت یافتہ ہیں وہ گو اس امر کو افسوس اور مجبوری کے ساتھ قبول کرتے ہیں و لیکن وہ اس کو بغاوت کا سبب نہیں کہتے بلکہ اپنی مذہبی رسوم کی کمی کا باعث خیال کرتے ہیں ۔“

بلکہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جو مسلمان بہت بڑے دین دار ہیں وہ ہندوستان میں جمعہ کو بھی فرض نہیں کہتے اور اُن لوگوں میں سے ایک تو مولوی محمد وجیہہ صاحب پروفیسر کالج مسلمانان کلکتہ اور دوسرے قاضی فضل الرحمٰن صاحب کا نام لکھا ہے کہ ان لوگوں نے اسی سبب سے جمعہ کی نماز ترک کر دی ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہوگیا ہے ۔ حالاں کہ نہایت سچے وہابیوں کے نزدیک جمعہ کے جواز کی شرط صرف تین مسلمانوں کی جماعت ہے جس کو وہ ایسی شرط سمجھتے ہیں کہ اگر وہ دارالاسلام میں بھی متحقق نہ ہو تو ان کے نزدیک جمعہ نہیں ہوتا ۔ البتہ شافعی المذہب کے لوگ چالیس آدمیوں کی جماعت کو شرط سمجھتے ہیں ۔ مگر حنفی المذہب لوگوں کو اس باب میں ایسی احتیاط ہے کہ وہ جمعہ کی فرضیت سے پہلے اس کے تحقق کو ضروری خیال کرتے ہیں اور جن لوگوں کا نام ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے وہ بھی حنفی المذہب ہیں اور ان کے نزدیک جمعہ کی شرائط متحقق نہ ہوتی ہوں گی ۔ پس اس صورت میں ان لوگوں پر یہ تہمت لگانا کہ وہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھ کر نماز نہیں پڑھتے نہایت بڑی غلطی ہے اور از بس بے جا اور نا مناسب تہمت ہے ۔

تیسرے باب کے خاتمہ پر ڈاکٹر ھنٹر صاحب تحریر فرماتے ھیں کہ :

"مجھ کو ھندوستان کے مسلمانوں سے دلی خیر خواھی اور محبت کی ھرگز توقع نہیں ھے بلکہ میں اُن کی ذات سے بڑی اُمید یہ کرسکتا ھوں کہ وہ حکومت انگریزی کے قبول کرنے میں سرد مہری کریں گے۔"

اگر ڈاکٹر صاحب موصوف کو ھم لوگوں کے مسلمان ھونے کے باعث سے اس قدر مایوسی ھے تو میں ان سے یہ درخواست کرتا ھوں کہ وہ قرآن شریف کی اس آیت کی طرف توجہ فرماویں :

ولتجدنّ اشد الناس عداوة للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودة للذین آمنوا الذین قالوا انا نصریٰ ۔ ذالک بان منھم قسیسین و رھبانا و انھم لا یستکبرون۔

جس کا ترجمہ یہ ھے کہ اے محمدؐ تم پاؤ گے تمام آدمیوں میں سخت دشمن مومنین کا یہودیوں اور مشرکوں کو اور پاؤ گے تم مومنین کا دوست اُن لوگوں کو جو اپنے کو نصاریٰ کہتے ھیں اور اس کا سبب یہ ھے کہ نصاریٰ میں اکثر پادری اور عابد ھیں اور وہ بہت سا گھمنڈ نہیں رکھتے ۔

یہ مسئلہ مشہور ھے کہ جیسا کوئی کرتا ھے ویسا ھی اُس کو نتیجہ ملتا ھے ۔ پس اگر مسلمان بہ جز سرد مہری کے قوم حکمران کی جانب سے اور کچھ سلوک نہیں دیکھتے ھیں تو ڈاکٹر صاحب کو مسلمانوں کی سرد مہری پر کچھ متحیر نہیں ھونا چاھیے ۔ ھم دونوں قوموں یعنی عیسائی اور مسلمان کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ قول یاد رکھنا اور اُس پر عمل

کرنا چاهیے که

"جس سلوک کے تم اور آدمیوں سے متوقع هو تم کو
بھی اسی طرح پر ان کے ساتھ سلوک کرنا چاهیے ۔"

اس باب کے خاتمه پر ایک حاشیه میں ڈاکٹر هنٹر صاحب نے مسلمانوں سے مندرجه ذیل سوال کا جواب دریافت کیا ھے جو ان کے نزدیک ایک سخت سوال ھے ۔

سوال :۔ اے علماء و محققان شرع اسلام ! تمھاری اس معامله میں کیا رائے ھے که اگر کوئی مسلمان بادشاہ هندوستان پر ایسے وقت میں حمله کرے جب که وہ انگریزوں کے قبضه میں هو تو اس ملک کے مسلمانوں کو انگریزوں کی امان ترک کرنی اور اس غنیم کو مدد دینی جائز ھے یا نہیں ؟

اس سوال کے جواب سے پیشتر میں چند فقرے جہاد کے متعلق نقل کرتا هوں اور میں یقین کرتا هوں که ڈاکٹر هنٹر صاحب کے حسب دل خواہ میں سوال کا جواب بھی دوں گا اور جواب دینے سے پیشتر ان کا بیان کرنا میرے نزدیک مناسب بھی ھے اور وہ فقرے یه هیں :

"مذهب اسلام میں نہایت عمدہ اور ثواب کا کام ایک
غائب خدا کے وجود پاک اور توحید کا اقرار کرنا
اور عموماً سب لوگوں کو اس کی هدایت کرنا ھے
لیکن چوں که یه توقع نہیں تھی که کفار کے ملکوں
میں ان مسلمانوں کو جو از روئے نصیحت هدایت
کرنا اور وعظ کے ذریعے سے ترغیب دینا اور علانیه
ایک خدا کی پرستش کرنا چاهیں، کافی امن و امان
حاصل هو ۔ لہٰذا اسلام کی فضیلت قائم کرنے اور
مسلمانوں کے واسطے امن و آسائش کا بند و بست

کرنے کے واسطے جو اپنے مذہب کے عمدہ مسائل کی نسبت وعظ کرنا اور ان ملکوں میں امن کے ساتھ رہنا چاہتے تھے فوراً تلوار کی طرف رجوع کی گئی تاکہ اُن لوگوں کی عادات اور طور و طریق غیر معتقدوں کے واسطے بہ طور نظیر کے ہوں اور یہ عمدہ مقصد یعنی یہ کہ مسلمان امن و امان کے ساتھ رہیں اور ایک سچے خدا کی پرستش کی وعظ کہیں ؏ ان طریقوں میں سے ایک طریقۃ سے حاصل ہو سکتا تھا ۔ اول برضا و رغبت لوگوں کے مذہب اسلام قبول کرنے سے ۔ دوم اس باہمی اتفاق کے ساتھ جو دشمنوں پر حملہ کرنے اور اپنی حفاظت کی غرض سے کیا جاوے امن و امان کے قائم رکھنے سے ۔ سوم ۔ تلوار کے زور سے اور جس وقت یہ مقصد حاصل ہو جاتا تھا تو فوراً تلوار روک لی جاتی تھی اور اگر پچھلے دو طریقوں میں سے کسی طریقہ میں امن و امان قائم ہو جاتا تھا تو فریقین کو رعایا یا ایک دوسرے کی مذہبی رسوم میں دست اندازی کرنے کا کچھ اختیار حاصل نہیں ہوتا تھا ۔ بلکہ ہر ایک شخص کو یہ اختیار حاصل ہوتا تھا کہ بلا مزاحمت اپنی تمام مذہبی رسوم کو ادا کرے ۔"

پس ان فقروں سے صاف ظاہر ہے کہ جس وقت تک مسلمان کامل امن و امان کے ساتھ خدا کی وحدانیت کا وعظ کہہ سکیں ۔ اُس وقت تک کسی مسلمان کے نزدیک اپنے مذہب کی رو سے اُس ملک کے بادشاہوں پر جہاد کرنا جائز نہیں ہے ۔ خواہ وہ

کسی قوم کے کیوں نہ ہوں ۔ قرآن شریف کے بعد وہابیوں کی معتبر کتابیں بخاری اور مسلم ہیں اور ان دونوں میں یہ لکھا ہے کہ ''جس وقت ہمارے رسول خدا حضرت محمد صلعم نے کسی کافر قوم پر جہاد کرنے کے واسطے کوچ فرمایا تو آن حضرت نے شام تک لڑائی ملتوی فرمائی تاکہ یہ بات معلوم ہو جاوے کہ قرب و جوار کے ملک میں اذان ہوتی ہے یا نہیں ۔ اور اگر کبھی یہ بات معلوم ہو جاتی تھی کہ وہاں اذان ہوتی ہے تو آن حضرت ہرگز اُس کے باشندوں سے نہیں لڑتے تھے'' پس ان حضرات کا اس سے یہ مقصد تھا کہ اذان کے سننے سے وہ یہ بات دریافت کر سکیں کہ اس جگہ کے مسلمان اپنے مذہبی فرائض کو بلا مزاحمت کسی کے ادا کر سکتے ہیں یا نہیں اور اب ہم مسلمان ہندوستان میں بھی اس طرح پر رہتے ہیں کہ مذہبی معاملہ میں ہم کو ہر ایک قسم کی آزادی حاصل ہے ۔ اپنے مذہبی فرائض کو ۔ کھٹکے ادا کرتے ہیں ۔ جس قدر بلند آواز سے چاہیں اذان دیتے ہیں اور شوارع عامہ میں بہ خوبی آزادی کے ساتھ اس طرح سے وعظ کہہ سکتے ہیں جیسے کہ عیسائی پادری کہتے ہیں اور بلا خوف و خطر اُن الزاموں کا جواب لکھتے ہیں جو عیسائی پادری مذہب اسلام پر لگاتے ہیں بلکہ مذہب عیسوی کے برخلاف ہم کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور عیسائیوں کو بلا کسی اندیشہ یا مزاحمت کے مسلمان بھی کر لیتے ہیں ۔

پس میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے سوال کا یہ جواب دیتا ہوں کہ انگریزوں کی امان سے علیحدہ ہونا اور غنیم کو مدد دینا کسی حالت میں کسی مسلمان کا مذہبی فرض نہیں ہے اور اگر وہ ایسا کریں تو گنہگار خیال کیے جاویں گے کیوں کہ اُن کا یہ فعل اُس پاک معاہدہ کا توڑنا ہوگا جو رعایا اور حکام کے درمیان ہے

اور جس کی پابندی مرتے دم تک کرنا مسلمانوں پر فرض ہے - البتہ میں یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ اگر آئندہ کوئی مسلمان یا اور بادشاہ ہندوستان پر حملہ کرے تو اس صورت میں باعتبار عمل درآمد کے ٹھیک ٹھیک مسلمان کیا کریں گے کیوں کہ وہ شخص حقیقت میں نہایت دلیر ہے جو اپنے دلی دوستوں اور رشتہ داروں کے سوائے عام شخصوں کی طرف سے بھی کچھ جواب دے بلکہ میری دانست میں تو شاید رشتہ داروں اور دوستوں کی طرف سے بھی کچھ جواب دینا مشکل ہے - چناں چہ جو ملکی لڑائیاں انگلستان میں ہوئی ہیں ان میں باپ بیٹوں سے اور بھائی بھائی سے لڑے تھے - پس کوئی شخص یہ بات نہیں کہہ سکتا کہ کسی بڑے ملکی ہنگامہ میں کل قوم کا کیا حال ہوگا - میں یقین کرتا ہوں کہ ایسی صورت میں جو کچھ مسلمانوں کو اپنی ملکی حالت کے لحاظ سے مصلحت معلوم ہوگی اس پر وہ عمل کریں گے خواہ وہ حالت ان کے موافق ہو یا نہ ہو -

میری دانست میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا یہ سخت سوال ہندوؤں سے بھی اسی طرح متعلق ہوسکتا ہے جیسا کہ مسلمانوں سے - پس اس لحاظ سے دونوں قوموں سے اس کا دریافت کرنا ضرور ہے -

ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کے چوتھے باب میں بھی گو ایک نہایت دلچسپ معاملہ کا ذکر ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو دراصل مسلمانوں یا گورنمنٹ ہند کے حق میں کچھ کارآمد ہو - اس سبب سے میں صرف چند امور کی نسبت رائے دیتا ہوں جن کا ذکر ڈاکٹر صاحب موصوف نے کیا ہے - صفحہ ۱۴۴ میں ڈاکٹر صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ :

"جو اختیاراتِ گرفتاری کے باب میں قانونی کونسل نے حکام کار پرداز کو عطا کیے ھیں ان کے ذریعہ سے گورنمنٹ اس خرابی کا بہ خوبی بندوبست کر سکتی ھے کیوں کہ اس صورت میں سرغنہ لوگ حراست میں رھیں گے اور ان کو اپنے مذھب کے معاملات میں پھر کسی طرح کا فخر حاصل نہ ھوگا اور جن شخصوں کو عدالت سے حبس دوام کا حکم ھوتا ھے ان کے ساتھ گورنمنٹ کچھ نرمی سے پیش آتی ھے مگر چند عرصہ کے بعد وھابیت کے معتقد ھو کر مسلمانوں میں لوٹا دیے جاتے ھیں۔"

مگر افسوس ھے کہ ڈاکٹر ھنٹر صاحب دو اصلی اور بڑے بڑے اصول سے ناواقف معلوم ھوتے ھیں جن میں سے ایک تو یہ ھے کہ جس قدر کسی قوم کو اس کے مذھب کی وجہ سے زیادہ اذیت دی جاتی ھے اسی قدر اس قوم کے آدمی اس کی زیادہ پابندی کرتے ھیں - دیکھو اگر ابتداء میں عیسائیوں کو زیادہ ایذا نہ پہنچتی تو مذھب عیسوی ھرگز اس قدر عروج کو نہ پہنچتا جو آج کل اس کو حاصل ھے - و علیٰ ھذا اگر مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو اذیت نہ ھوتی تو وہ ھرگز ان لاکھوں آدمیوں کا مذھب نہ ھوتا جو آج کل حضرت محمد رسول اللہ صلعم کے پیرو ھیں - پس ڈاکٹر صاحب کا یہ قول کہ جو مسلمان ایک مرتبہ جلا وطن کیے جاتے ھیں وہ جلاوطنی سے واپس آنے کے بعد وھابیت کے زیادہ معتقد ھوتے ھیں یقیناً غلط ھے - دوسرے یہ کہ جو شخص اصل میں مجرم ھوں صرف انھیں کو سزا دینی گورنمنٹ کے حق میں مفید ھے اور اصول سیاست کے موافق ان شخصوں کو سزا دینی جو بے گناہ خیال کیے جاتے ھیں ایک

سخت غلطی ہے اور جس قدر گورنمنٹ سے اس معاملہ میں چوک ہوگئی اسی قدر اس کے مخالفوں کو زیادہ ہمت حاصل ہوگئی۔ بے جا سزا دینے سے صرف مفسدوں کی ہی طبیعتیں برگشتہ اور افروختہ نہیں ہوتیں بلکہ جو شخص گورنمنٹ کے سچے خیر خواہ ہوتے ہیں وہ بھی اس کے باعث سے آزردہ ہو جاتے ہیں اور ان کی خلوص آمیز خیر خواہی بہت کم ہو جاتی ہے۔

صفحہ ۱۴۵ میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :

''اس بات سے کان بند کر لینے میں کچھ فائدہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ہمارے ذمہ بہتا سے ایسے الزام لگاتے ہیں جن سے بڑھ کر آج تک کبھی کسی گورنمنٹ کے ذمہ قائم نہیں کیے گئے۔ وہ ہمارے ذمہ یہ الزام لگاتے ہیں کہ ہم نے اُن کے مولویوں کی معاش اور عزت کا راستہ بند کر دیا ہے۔ کیوں کہ ہم نے ایک ایسا طریقہ تعلیم جاری کیا ہے جس کے باعث سے تمام قوم کو معاش کا کوئی ذریعہ باقی نہیں رہا اور وہ بالکل مفلس ہوگئی۔ اِن کے قاضیوں کے موقوف کرنے سے جو نکاح وغیرہ کا فتوٰی دیا کرتے تھے ہزار ہا آدمیوں کو مصیبت و خرابی میں ڈال دیا ہے اور وہ ہمارے ذمہ یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم نے اُنْ کو اُن کے مذہبی فرائض ادا کرنے کے ذریعوں سے محروم کر کے اُن کی جان کو خطرہ میں پھنسا دیا ہے اور سب سے بڑھ کر ہمارے ذمہ یہ تہمت ہے کہ ہم نے دیدہ و دانستہ ان کے مذہبی اوقات میں خیانت کر کے جو روپیہ ان کے مذہبی اخراجات کے واسطے جمع ہوتا تھا اُسمیں دست اندازی

کی ہے -''

پس یہ بات تو کچھ تعجب کی نہیں ہے کہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ گورنمنٹ پر اس قسم کا الزام لگا دیں کیوں کہ تعلیم یافتہ اور دانش مند مسلمان اس بات سے بہ خوبی واقف ہیں کہ وہ ایک غیر گورنمنٹ سے یہ توقع نہیں کر سکتے ہیں کہ وہ اُن کے دستوروں اور ان کے طریقہ تعلیم کا ایسا ہی لحاظ کرے گی جیسا کہ خاص اُن کے ہم مذہب بادشاہوں کے عہد میں ہوتا تھا - ہم کو یاد کرنا چاہیے کہ جب ملک ہسپانیہ پر ہم مسلمانوں کی حکومت تھی اور جب کہ ہم نے ہندوستان کو سب سے اول فتح کیا تھا تو اُس زمانہ میں ہمارا کیا طریقہ تھا - چناں چہ اس زمانہ میں ہسپانیہ کے باشندے اور ہندو ان تمام فائدوں کا ایک حصہ حاصل کرنے سے بھی بہت خوش ہوتے تھے جو ہم کو مع ہندوؤں کے آج کل ہندوستان کے حاکموں کی حکومت میں حاصل ہوتے ہیں اور قاضیوں کے عہدے کا موقوف کرنا جو عقد نکاح کی اطلاع کو مذہب کی رو سے تحریر کیا کرتے تھے ملک کی موجودہ حالت کے لحاظ سے البتہ ایک سخت غلطی تھی - مگر اس کے باعث سے ہمارے مذہب مین کچھ خلل واقع نہین ہوا - کیوں کہ بعض شخصوں کی یہ رائے ہے کہ مذہب اسلام کے بہ موجب عورت اور مرد کے درمیان نکاح ایک معاہدہ ازدواج کا حیات کے واسطے ہوتا ہے جس کے لیے بعض صورتوں مین صرف دو گواہوں کی ہی موجودگی کافی ہے - کچھ قاضی یا مولوی کی موجودگی ضرور نہیں ہے - ڈاکٹر ہنٹر صاحب شاید اس بات سے واقف نہین ہیں کہ ہندوستان کے قاضی بالکل ناخواندہ ہوتے تھے - یہاں تک کہ اعلیٰ درجہ کے مسلمان اُن کی بہت کم توقیر کرتے تھے - اگر ہماری گورنمنٹ ہمارے مذہبی اوقاف

کو بے جا طور سے صرف کرتی ہے اور جو روپیہ ہماری تعلیم کے واسطے جمع کیا جاتا تھا اُس میں تصرف کرتی ہے تو ہمارے حق میں یہ نہایت اچھی بات ہے کہ قانون کی رو سے ہم کو خاص اُس کی عدالتوں میں اُس پر دعویٰ کرنے کا اختیار حاصل ہے اور خدا کا شکر ہے کہ ہم ہمیشہ ایسا کر سکتے ہیں۔

صفحہ ۱۴۵ میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب بیان فرماتے ہیں کہ:

"مسلمان لوگ ہمارے ذمہ یہ تہمت لگاتے ہیں کہ ہم نے اُن کے مذہبی فرائض کے ادا کرنے کے وسیلوں سے محروم کر کے اُن کی جانوں کو خطرہ میں ڈال دیا ہے۔"

میری سمجھ میں ڈاکٹر صاحب کا مطلب نہیں آیا۔ کیوں کہ اگر اُن کی غرض صرف یہ ہے کہ گورنمنٹ نے مسلمانوں کے تہواروں کی تعطیلوں میں دست اندازی کی ہے جیسا کہ انہوں نے صفحہ ۱۷۸ و ۱۸۸ میں بیان کیا ہے تو میں اُن سے اتفاق نہیں کرتا کیوں کہ ہندوستان میں کسی جگہ مسلمانوں کو ان تہواروں کی ممانعت نہیں ہے۔

بعد اس کے ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اُن سببوں کی تفضیل بیان کی ہے جن کے باعث سے مسلمان فی زمانہ مفلس ہوگئے ہیں اور گورنمنٹ کے ذمہ یہ الزام لگایا ہے کہ اُس نے اپنی رعایا میں سے اس فرقہ کی تعلیم و تربیت کی جانب سے غفلت اختیار کر لی ہے۔ مگر میں اپنے نزدیک گورنمنٹ کو کچھ اس کا ذمہ دار خیال نہیں کرتا۔

صفحہ ۱۷۴ میں ڈاکٹر صاحب موصوف بیان فرماتے ہیں کہ:

"مسلمان سرکاری طریقہ تعلیم سے فائدہ نہیں اٹھاتے

کیوں کہ ہمارا طریقہ تعلیم مسلمانوں کے خیالات کے
برخلاف اور آن کی ضرورتوں کے نا موافق اور آن کے
مذہب میں نا پسندیدہ ہے حالاں کہ ایسی تعلیم سے
ہندو صدہا برس کی خواب غفلت سے بیدار ہوگئے ہیں
اور اس کے سبب سے عام لوگوں کی طبیعتوں میں
ایسے ایسے عالی خیالات پیدا ہوئے ہیں جو ایک عمدہ
قوم میں ہوا کرتے ہیں۔''

پس میری رائے میں ڈاکٹر صاحب کا یہ قول بلاشبہ بہت
صحیح ہے جس کے پچھلے فقرہ سے میں اتفاق کرتا ہوں اور وہ
یہ ہے کہ سرکاری طریقہ تعلیم مسلمانوں کے بالکل خلاف ہے اور
ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس بات کو آن کی ناراضی اور گورنمنٹ کی
بد خواہی سے جو منسوب کرتے ہیں تو یہ صرف انہیں کی رائے
ہے ۔ لہٰذا میں آس کے مقابلہ میں یہ رائے دیتا ہوں کہ آن کا یہ
خیال محض غلط ہے ۔ مروجہ طریقہ تعلیم کی نسبت جس کو ہندو
لوگ نہایت شوق سے قبول کرتے ہیں اور جو مسلمانوں کے
خیالات کے برخلاف ہے یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ ان دونوں
قوموں میں نہایت اختلاف ہے ۔ ہندوؤں کے بہت سے فرقے ایسے
ہیں جو اپنے مذہبی مسائل سے کبھی بحث نہیں کرتے اور اسی
وجہ سے آن کو آس طریقہ تعلیم کی نسبت کچھ اعتراض نہیں ہے
جو آن کے مذہب کے برخلاف بھی ہو اور مسلمانوں پر تو یہ
فرض ہے کہ وہ اپنے مذہب کے تمام مسئلوں سے آگاہی حاصل
کریں اور ان کے بہ موجب عمل درآمد کریں اور یہی وجہ ہے
کہ انہوں نے اب تک ایسی تعلیم سے کنارہ کر رکھا ہے جو
ایک غیر زبان کے ذریعہ سے سکھائی جاتی ہے اور جس کو وہ
اپنے عقیدہ کے برخلاف سمجھتے ہیں ۔ تمام تاریخوں سے یہ بات ثابت

ہوتی ہے کہ جو نئے مسائل کسی عقیدہ مسلمہ کے برخلاف جاری کیے جاتے تھے اُن کو لوگ ہمیشہ بدگمانی اور حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے - سقراط کی نسبت اُس کے مشرک ہم وطنوں نے صرف اس وجہ سے قتل کا فتویٰ دیا کہ وہ توحید میں پکا تھا اور کوپر نیکس نے جو طریقہ جاری کیا تھا اُس کو بھی کسی زمانہ میں بہت سے عیسائی ناپسند کرتے تھے اور جو شخص اُس کے طریقوں کو قبول کرتے تھے اُن کو بھی سخت سزائیں دی جاتی تھیں - لیوتھر نے جو قاعدہ جاری کیا تھا اُس سے بھی لوگ بہ خوبی رضا مند نہ تھے اور جب مسلمانوں نے اہل یونان کے اصول حکمت کو اختیار کیا تو سچے مسلمان ان پر بہت کچھ نفرین کرتے تھے - علیٰ ہذا جو لوگ حالات ارض سے واقف ہیں ان کا مسئلہ بہ نسبت اس کے جو بائبل میں بیان کیا گیا ہے زیادہ پرانا تھا - پس اس کے سبب سے ابتداء کے عیسائی نہایت برانگیختہ ہوئے اور گو یہ زمانہ بھی ترقی کا زمانہ ہے مگر جو رونق اور عظمت قدیمی سلطنت روم کو کسی زمانہ میں حاصل ہوئی تھی وہ کچھ ایک دن کا کام نہ تھا - اسی طرح یہ توقع نہیں ہو سکتی کہ اس زمانہ کے موافق جو کسی حالت میں تغیرات سے خالی نہیں ہے - مسلمانوں کے ایسے عادات جو ہندوؤں کی نسبت زیادہ تر سخت مادے سے مرکب ہیں نہایت جلد بدلے سکیں بلکہ اس بات کے لیے ایک عرصہ درکار ہے - پس ہم کو لازم ہے کہ اول ہم سعی و کوشش کریں اور پھر اس کے نتیجہ کے منتظر رہیں - گو اس وقت بھی بہت سے آدمی قومی تہذیب میں مصروف ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب اس بات سے واقف نہیں ہیں - جو طریقہ تعلیم ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے تجویز کیا ہے اُس کو میں پسند نہیں

کرتا اور نہ میری دانست میں وہ قابل عمل درآمد ہے ۔ مگر جو بات صاحب موصوف کو منظور ہے وہ گورنمنٹ کی دست اندازی سے ہرگز حاصل نہ ہوگی بلکہ وہ ہماری کوششوں سے حاصل ہوگی ۔

صفحہ ۲۱۰ میں ڈاکٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ :

''ہم کو چاہیے کہ مسلمانوں کے لڑکوں کو اپنے طریقہ تعلیم کے بہ موجب تعلیم دیں ۔ اگر ہم ان کے مذہب میں یا جس طریقہ سے وہ اپنے مذہبی فرائض سیکھتے ہیں اس طریقہ میں دست اندازی نہ کریں تو شائد اس تدبیر سے اس مذہب کی نسبت لوگوں کا اعتقاد کم ہو جاوے گا اور اگر اعتقاد کم نہ ہوگا تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ تعصب تو بہت ہی کم ہو جاوے گا اور مسلمانوں کی نئی امت کے آدمی یقیناً ان باتوں کی پیروی کریں گے جن کے باعث سے وہ ہندو جو کسی زمانہ میں تمام دنیا میں سب سے زیادہ متعصب تھے ایسے برباد ہوگئے جیسے کہ وہ آج کل ہیں ۔ ایسی بردباری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بزرگوں کی نسبت اپنے مذہب کے کم معتقد ہیں اور جو بے رحمی کبھی وہ کیا کرتے تھے یا جو جرم ان سے پہلے سر زد ہوتے تھے وہ اس بردباری کے باعث سے اب ان سے وقوع میں نہیں آتے اور جو سختی اور تکلیف وہ ایک ایسے مذہب کی خاطر گوارا کرتے تھے جس کی نسبت ان کے خیالات صحیح نہ تھے ویسی سختیاں اب نہیں اٹھاتے جیسا کہ آئندہ مسلمان بھی ہو جاویں گے ۔ میں اس مقام پر اس بات کا ذکر

تو نہیں کرتا کہ ہندو اور مسلمان ایسی بے پروائی کی
حالت میں کسی ذریعہ سے اعلیٰ درجہ کے اعتقاد پر
پہنچ سکتے ہیں مگر یہ مجھ کو یقین ہے کہ وہ دن بھی
کبھی ضرور آ جاوے گا اور ہمارا یہ طریقہ تعلیم
جس سے اب تک برابر خوبیاں پیدا ہوتی ہیں اول
منزل اس درجہ تک پہنچنے کی ہے اور میں جانتا ہوں
کہ اب تک ہندوستان میں انگریز لوگوں کی کوششیں
عقیدہ باطل کے رفع کرنے میں کچھ بہت کار آمد
نہیں ہوئیں ۔''

میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی اس رائے کی تعریف نہیں کر سکتا ۔
بلا شبہ اگر گورنمنٹ اپنی مسلمان رعایا سے صفائی اور انصاف کے ساتھ
پیش نہ آوے گی اور جس فریب آمیز طریقہ کی ڈاکٹر صاحب نے
سفارش کی ہے اس پر عمل کرے گی تو میری رائے میں اس زمانہ
اور آئندہ زمانہ میں بھی بہت بڑی دقت پیش آئے گی ۔ گورنمنٹ
کو چاہیے کہ وہ علانیہ میکالی صاحب کے لفظوں کے ساتھ یہ بات
کہہ دے کہ ''مروجہ طریقہ تعلیم سے حقیقی مسائل کچھ جلد
شائع نہیں ہوتے بلکہ جو غلطیاں از خود رفع ہو سکتی ہیں
ان کے رفع ہونے میں بھی اس کے باعث اور زیادہ دیر ہوتی ہے
اور اس کے باعث سے بے ہودہ تواریخ اور بے ہودہ علم الٰہیات کی
مصنوعی ترغیب دی جاتی ہے اور ایسے طالب علم پیدا ہوتے
ہیں جو اپنی قوت علمیہ کو دشواری اور الزام کا باعث
پاتے ہیں ۔

یہ کلمات مروجہ طریقہ تعلیم سے اب تک منسوب ہو سکتے
ہیں حالاں کہ وہ ۱۸۵۳ء میں لکھے گئے تھے اگر لارڈ میکالی صاحب
کی عمدہ رائے پر پورا پورا عمل کیا جاتا تو اس ملک میں تعلیم

کی اور ہی کچھ کیفیت ہوتی مگر چوں کہ یہ موقع ہندوستانیوں کی تعلیم پر گفتگو کرنے کا نہیں ہے اس سبب سے میں آئندہ کبھی اس ضروری معاملہ کی نسبت اپنی رائے مفصل بیان کروں گا ۔ جو خرابیاں بالفعل موجود ہیں ان کا باعث بیشتر حاکم اور محکوم کے درمیان اتفاق اور ہمدردی کا نہ ہونا ہے اور ڈاکٹر ہنٹر صاحب کے سے خیالات سے بہ جز اس کے کہ یہ مغائرت زیادہ ہو اور کچھ نتیجہ نہیں ہوتا اور میں یہ بات تسلیم کرتا ہوں کہ عادات اور خیالات کے اختلاف کے لحاظ سے ایسے ہندوستانی شرفاء کی تعداد نہایت قلیل ہے جن کے ساتھ اہل یورپ دلی ارتباط و اختلاط رکھتے ہوں لیکن میں یقین کرتا ہوں کہ ان لوگوں کی تعداد آئندہ ہر سال زیادہ ہوتی جاوے گی ۔ اگر ہندوستانیوں کی طبیعتوں میں ہمدردی اور اعتبار کا اثر پیدا کیا جاوے تو اس عمدہ مقصد کے حصول میں کچھ بہت زیادہ عرصہ نہیں ہوگا ۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ مسلمانوں کے دل سے اس خیال کو رفع کر دے کہ گورنمنٹ ہمارے برخلاف ہے اور ہماری ذلت کی خواہاں ہے ۔

خاتمہ پر میں یہ بات کہتا ہوں کہ اگرچہ میں اس محبت اور خیر خواہی کے سبب سے ڈاکٹر ہنٹر صاحب کا نہایت دل سے ممنون ہوں جو انہوں نے اپنی کتاب میں بعض مقامات پر میرے ہم مذہبوں کی نسبت ظاہر فرمائی ہے لیکن میں ان کی طرز تحریر پر نہایت افسوس کرتا ہوں ۔ میرے دل سے یہ خیال ہرگز دور نہیں ہو سکتا کہ جس وقت ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنی کتاب کا لکھنا شروع کیا ہوگا اس وقت ان کو مسلمانوں کے مطالب کی ترقی کا زیادہ خیال تھا اور وہ خیال آخر تک باقی نہیں رہا ۔ چناں چہ ان کی کتاب کے پچھلے صفحوں سے ظاہر ہوتا ہے ۔ میری دانست میں ڈاکٹر ہنٹر صاحب کو اپنی تحریر کے وقت وہابیوں کی سازش کا خیال ہوگا اور اسی پر انہوں نے عمل

کیا ہے - صاحب ممدوح کی کتاب بہ لحاظ اصول سیاست کے بالکل غلط ہے اور تواریخ کے لحاظ سے کسی قدر کم غلط ہے اور یہ بات میں پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ جو اثر ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی علمی لیاقت سے ہندوستان کے باشندوں پر ہوا ہے اس کا رفع کرنا ہر ایک کا کام نہیں ہے اور یہ اثر ہندوستانیوں کی نسبت اس سبب سے اور بھی زیادہ قوی ہوگیا تھا کہ ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی کتاب کو ہندوستان میں سب سے اعلیٰ حاکم نے منظور کر لیا تھا - پس جس صورت میں ایسی غلط باتیں تمام ملک میں مشہور ہوگئیں تو میرا خاموش رہنا مناسب نہ ہوتا - چناں چہ میں نے حتی الوسع ڈاکٹر ہنٹر صاحب کی غلطیوں کی تردید کی ہے اور گو میری کوششیں بے فائدہ ہوں لیکن میں نے تو اپنا فرض ادا کر دیا -

(سرسید نے اس مضمون میں یہ بات بار بار لکھی ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید انگریزی حکومت کے ہرگز ہرگز مخالف نہ تھے اور نہ ہی انھوں نے کبھی ان کے خلاف جہاد کا اعلان کیا - سرسید کے اس بیان کی تائید بعد کے متعدد مورخین نے بھی کی ہے - چناں چہ نواب صدیق حسن نے ترجمان وہابیہ مطبوعہ امرتسر کے صفحہ ۲۱ و ۸۸ پر نیز "سوانح احمدی" مولفہ مولوی محمد جعفر تھانیسری میں بیس مقامات پر اسی طرح حضرت شاہ اسماعیل شہید کی سوانح موسوم بہ "حیات طیبہ" کے صفحات ۱۵۹ ، ۲۹۲ ، ۲۹۳ پر بھی اسی خیال کو پیش کیا گیا ہے - مگر حال میں بعض اصحاب نے ان حقائق کے برخلاف یہ لکھنا شروع کر دیا ہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور حضرت شاہ اسماعیل کا اصل مقصد انگریزوں کے خلاف جہاد تھا - لیکن ظاہر ہے کہ ایسے حضرات کا یہ بیان واقعات کے مطابق نہیں اور نہ اس دعویٰ کا کوئی واضح ثبوت موجود ہے - محمد اسماعیل) -

انڈین آبزرور اور مسلمان

(تہذیب الاخلاق بابت ۱۵ رمضان المبارک ۱۲۸۹ھ)

ہماری یہ رائے ہے کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی ایسی حالت ہے کہ جو لفظ سخت اور خراب سے خراب اُن کی نسبت استعمال کیے جائیں وہ سب درست اور بجا ہیں اور اسی سبب سے آن اَن سویلائزڈ الفاظ سے جو انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے نے ہم مسلمانوں کی نسبت لکھے ہیں،ہم کو کچھ ناراضی نہیں ہوتی - بلکہ اس قسم کی تحریر سے ہم کو توقع ہوتی ہے کہ ہماری قوم کو غیرت اور شرم آئے گی اور وہ اپنی حالت کی درستی اور اصلاح پر متوجہ ہوگی - پس اس آرٹیکل میں ہمارا مطلب اسی قدر ہے کہ ہم اپنی قوم کو جتلا دیں کہ ہمارے زمانہ کے علم کے دیوتا نے ہماری نسبت کیا کہا ہے -

سیلیکٹ کمیٹی خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان میں یہ سوال بحث میں آیا تھا کہ ''ہندوستان میں انگریزی تعلیم کا اثر ایسا کیوں نہیں ہوتا جیسا کہ انگلستان میں ہوتا ہے'' پس اس کا جواب انڈین آبزرور کا آرٹیکل لکھنے والا یہ دیتا ہے کہ ''اُن کو (یعنی مسلمانوں کو) گورنمنٹ کی ذات سے یہ توقع نہیں کرنی چاہیے کہ وہ سؤر کے بالوں سے ریشم کی تھیلی بنا دے'' پس اب ہم اپنی قوم سے پوچھتے ہیں کہ علم کے دیوتا نے ہم کو سور کا خطاب دیا ہے - پس ہم کو اسی خطاب میں خوش رہنا چاہیے یا کوشش کر کے اور اپنی حالت کو درست کر کے دنیا کو بتلانا چاہیے کہ اس خطاب کا مستحق کون تھا -

دوسرا جواب اسی سوال کا اس آرٹیکل لکھنے والے نے یہ دیا ہے کہ "جس شے پر اس کا (یعنی تعلیم کا) اثر ہوتا ہے وہ دونوں ملکوں (یعنی ہندوستان اور انگلستان) میں مختلف ہے، گو آلہ دونوں کا ایک ہی ہو۔ سنگریزہ یا کنکر سے ایک روشن ہیرا یا لعل نہیں بن سکتا"۔ پھر اب ہم پوچھتے ہیں کہ آیا ہماری قوم کو سنگریزوں میں اور کنکروں میں پڑا رہنا اور ہر ایک کی ٹھوکریں کھانا اور دشنام سننا ہی پسند ہے یا اپنی حالت میں کچھ ترقی کرنے کا بھی ارادہ ہے؟

یہ سچ ہے کہ جو شخص بد زبانی کسی کی نسبت استعمال میں لاتا ہے وہ خود اولاً اپنے آپ کو اَن سویلائزڈ ثابت کرتا ہے اور یہ بھی سچ ہے کہ اُس آرٹیکل کا لکھنے والا ہم کو متکبّر اور سخت متعصب بتاتا ہے حالاں کہ وہ ہم سے بھی زیادہ معلوم ہوتا ہے مگر ہم کو اس پر خیال کرنا نہیں چاہیے بلکہ جو لفظ ہمارے دشمن نے ہمارے حق میں کہیں ہوں اُن سے بھی ہم کو نصیحت پکڑنی چاہیے۔

ایک مقام پر اس آرٹیکل کا لکھنے والا لکھتا ہے کہ "کمیٹی کو مناسب ہے کہ ---- اس امر کی تفتیش کرے کہ آیا اس قوم میں (یعنی مسلمانوں میں) کبھی کوئی بڑا فلسفی یا شاعر پیدا بھی ہوا ہے جو ایمان داری کے ساتھ اپنی نسبت خود یہ باتیں بیان کرے جو کمیٹی نے بیان کی ہیں"۔ اگر اس عبارت کا یہ مطلب ہے کہ ہمارے ملک کے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن کے وقت میں کوئی شخص ہماری قوم کا ایسا ہوا ہے یا نہیں تو اس کا جواب صاف ہے کہ نہیں اور اگر کبھی کے لفظ سے غیر معین زمانہ مراد ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس آرٹیکل کے لکھنے والے کو دوبارہ کیمبرج یونیورسٹی میں جا کر ہسٹری آف فلاسفی اور ہسٹری آف اورینٹل لٹریچر پڑھنی چاہیے۔

وھابی - اھلِ حدیث یا مُتّبعِ حدیث

(علی گڈھ انسٹیٹوٹ گزٹ بابت ۲ فروری ۱۸۸۹ء)

ھم تو اس بات کی کہ لوگوں نے کسی کا کیا نام رکھا ھے کچھ پرواہ نہیں کرتے - جو شخص کسی کو برے نام سے پکارتا ھے کہ وہ خود آپ اپنی حقارت کرتا ھے - یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہ طور حقارت کے (نعوذ باللہ منہا) نزارین یا ناصری منسوب بہ قصبۂ ناصرہ کہتے تھے - مگر اس سے کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں کچھ بٹہ لگتا تھا ؟ بلکہ انھی کا منہ کالا کرنا ھوتا تھا جو اس طرح بہ نظرِ حقارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام لیتے تھے - اسی طرح جن لوگوں نے مسلمان نیک بندوں متبع سنت کا بہ طور حقارت کے وھابی نام رکھا تھا ، انھوں نے حقارت کی تھی اُن بزرگوں کی جنھوں نے اپنے پیروؤں کا یہ نام رکھا تھا -

مگر جناب مولوی ابو سعید محمد حسین کو وھابی نام ھونا گوارا نہ تھا - انھوں نے گورنمنٹ سے درخواست کی تھی کہ اس فرقے کو جو درحقیقت اھل حدیث ھے اور لوگوں نے از راہ ضد و حقارت کے اس کا نام وھابی رکھ دیا ھے ، گورنمنٹ اس کو وھابی کے نام سے مخاطب نہ کرے -

مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کو اس نام کے گوارا نہ ھونے کی ایک معقول وجہ بھی تھی ، ان واقعات کے سبب سے جو اسماعیل پسرِ عبد الوھاب کے زمانہ میں حجاز میں گزرے تھے

جو اپنے باپ عبدالوهاب کے مسائل کا معتقد تها ، جس کی طرف
اس فرقے کو منسوب کیا جاتا هے - اُن واقعات کے سبب سے
سلطان ٹرکی بهی اس فرقے کو مخالف سمجهتا تها - وهی خیال
ترکوں کا بذریعه اُن تاریخوں کے جو انگریزی زبان میں وهابیوں
کے حالات میں تحریر هوں، هندوستان کے انگریزوں میں آیا اور
بعض واقعات مشتبه جو هندوستان کی سرحد پر گزرے ، اُن سے
اس خیال کو زیاده تقویت هوگئی اور ان اسباب سے وهابی کے
لفظ میں ایک مفهوم مخالفِ سلطنت هونا به طور ایک جزو اُس کے
معنوں کے سمجها جانے لگا - حالاں که یه خیال محض غلط تها۔
وهابیت کو سلطنت کی مخالفت سے کچھ تعلق نه تها اور بلا شبه
گورنمنٹ کی طرف سے کسی فرقے کی نسبت ایسے لفظ کا استعمال
کرنا جس کے معنی میں مفهوم مخالف سلطنت شامل هوگیا هو ،
مناسب نه تها اور مولوی محمد حسین صاحب کو اس کا گوارا نه
کرنا نهایت بجا تها - هم کو اُمید هے که وه فرقه جس کو
وهابی کهتے هیں اور جو اپنے عقائد اور مسائلِ مذهب میں نهایت
سخت اور بہت پخته هے اور خدائے واحد کے سوا ظاهراً و باطناً و
حیلةً و صریحةً اُور کسی کی طرف التجا نهیں کرتا ، وه اس
مسئلے پر بهی نهایت پخته هے که جس سلطنت میں وه لوگ
به طور رعیت کے رهتے هیں، کبهی اُس سلطنت سے مخالفت نهیں
کر سکتے - خواه وه سلطنت عیسائیوں کی هو یا یهودیوں کی یا
بت پرستوں کی - یهاں تک که اگر اُس سلطنت میں مذهبی آزادی
نه هو تو اُس سلطنت سے اُن کو هجرت کرنا لازم هوتا هے -
مگر مخالفت کرنا جائز نهیں هوتا - انگلش گورنمنٹ هندوستان میں
خود اُس فرقے کے لیے جو وهابی کهلاتا هے ایک رحمت هے -
جس طرح هندوستان میں کل مذهب کے لوگوں کو کامل مذهبی

آزادی ہے ، جو سلطنتیں اسلامی کہلاتی ہیں ، اُن میں بھی وہابیوں کو ایسی آزادی مذہب ملنا دشوار بلکہ ناممکن ہے ۔ سلطان کی عمل داری میں وہابی کا رہنا مشکل ہے اور مکہ معظمہ میں تو اگر کوئی جھوٹ موٹ بھی وہابی کہہ دے تو اُسی وقت جیل خانے یا حوالات میں بھیجا جاتا ہے ۔ گو وہ کیسا ہی مقدس اور نیک مولوی ہو یا سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ پس وہابی جس آزادیٔ مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ اُن کو میسر نہیں ۔ ہندوستان اُن کے لیے دارالامن ہے ۔ پس وہابیوں کی نسبت یہ خیال کہ اُن کا سلطنت کے مخالف ہونا لازمی ہے ، ایک غلط خیال تھا اور تمام مسلمانوں کو مولوی ابو سعید محمد حسین صاحب کا ممنون ہونا چاہیے کہ اُنھوں نے اس غلط خیال کے دور کرنے میں کوشش کی اور سب سے زیادہ انگلش گورنمنٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے جس نے مولوی ابو سعید محمد حسین کی کوششوں کو منظور کیا ۔

غرض کہ مولوی محمد حسین کی کوشش سے گورنمنٹ نے منظور کر لیا کہ آئندہ سے گورنمنٹ کی تحریرات میں اس فرقہ کو وہابی کے نام سے تعبیر نہ کیا جاوے بلکہ اہلِ حدیث کے نام سے جس کا نام وہ فرقہ اپنے تئیں مستحق سمجھتا ہے ، موسوم کیا جاوے ۔

زمانہ کی ترقی کا نشان

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ یکم دسمبر ۱۸۷۶ء)

سب سے بڑا نشان زمانہ کی ترقی کا ہماری دانست میں یہ ہے کہ جو تعصبات ناجائز خیالات فاسدہ کے سبب سے دلوں میں جاگزین ہوتے ہیں وہ کم ہوجاویں اور وہ باہمی مخالفت جو در اصل بناء تنزل ہے رفع ہو جاوے اور قومی عزت کی حمایت کا خیال عام لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوجاوے - پس ہم نہایت خوش ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں اس قسم کے آثار نمایاں ہیں اور اب اس بات کا ثبوت ہوتا جاتا ہے کہ تعصبات ناجائز بہت کم ہوگئے ہیں اور قومی عزت کے معنی لوگ سمجھنے لگے ہیں اور اس کا نہایت پر لطف اثر ان کی طبیعتوں پر ہوتا جاتا ہے - اب ہم کو بجائے ایسی خبروں کے کہ باہمی نفسانیت سے فلاں فلاں قوم میں یہ فساد ہوا یہ خبر سنتے ہیں کہ فلاں قوم کے سرگروہ نے اپنی قوم میں فلاں عیب کی گرفت کی اور اس کی اصلاح کا خواہاں ہوا اور بجائے دشمن کہنے کے دوسری قوم کو اپنا بھائی کہہ کر خوش کرنا چاہا -

ٹرکی کے معاملات میں جب عام لوگوں نے توجہ کی اور عام مسلمانوں نے اس کی ہمدردی کا قصد کیا تو بہت سے ایسے لوگوں کا خیال جو ہندوستان کے باشندوں کے جھگڑوں سے آگاہ ہیں اس طرف لگا ہوا تھا کہ جس طرح سلطنت ٹرکی کی اعانت کے واسطے فرقہ اہل سنت و جماعت آمادہ ہوا ہے دیکھنا چاہیے کہ

گروہ حضرات شیعہ بھی اس طرف توجہ کرتے ھیں یا نہیں مگر ھم دیکھتے ھیں کہ بہت جلد اس تردد کو اُن حضرات شیعہ نے رفع کر دیا جو نہایت دلی توجہ سے چندہ کی کمیٹیوں میں شریک ہوگئے اور مثل سنیوں کے ھمدردی ظاھر کرنے لگے جس کے سبب سے ھم کو یقین ھوگیا کہ یہ سب ترقی کے آثار ھیں اور اب وہ زمانہ آگیا ھے جس میں لوگوں کو قومی عزت کے معنی معلوم ھوگئے ھیں - بلا شبہ دانش مند شیعہ اس بات کو خوب جانتے ھیں کہ گو اُن میں اور سنیوں میں ایک خاص مذھبی معاملہ کی مخالفت ھو لیکن یہ مخالفت کچھ اس بات میں موثر نہیں ھے کہ جو عام صدمہ مسلمانوں پر آ کر پڑے اس میں سنی و شیعہ علیحدہ ھو جائیں اور ایک دوسرے کی توھین گوارا کریں - دیکھو یہ مقابلہ اور قوموں کے سنی اور شیعہ ایک ھی نام سے پکارے جاتے ھیں اور ایک ھی بزرگ نبی کی اُمت شمار کیے جاتے ھیں - ایک ھی کلمہ کو دونوں پڑھتے ھیں - ایک ھی قبلہ کی طرف سر جھکاتے ھیں - پھر کوئی وجہ نہیں ھے کو اب ایک ایسے صدمہ کے وقت جس میں ایک گروہ مبتلا ھو دوسرا گروہ علیحدہ ھو جاوے -

بلا شبہ وہ شخص نہایت گندہ طبیعت ھے اور اُس کی رائے نہایت نفرت کے لائق ھے ، جس نے اس موقع پر یہ رائے ظاھر کی تھی کہ شاہ کج کلاہ ایران کے واسطے اب موقع ھے کہ وہ کربلاء معلٰی پر قبضہ کر لیں - معلوم ھوتا ھے کہ یہ شخص ابھی اس کثافت سے پاک نہیں ھوا جس کے سبب سے باھمی مخالفتیں پیدا ھوتی ھیں اور قومی اتفاق غارت ھوتا ھے - کیا وہ نہیں جانتا کہ اگر خدا نخواستہ ٹرکی کی یہ حالت ھوئی تو شاہ ایران کو کربلاء معلٰی کا اپنے قبضہ میں کر لینا چنداں موجب فخر

نہ ہوگا جس قدر کہ اُن کو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کی
حفاظت ضروری ہوگی ۔ کیا وہ شخص یہ نہیں خیال کرتا کہ
کربلاء معلیٰ میں جس مقدس ذات کے ہونے سے تم اُس کی عظمت
کرتے ہو وہ مقدس ذات ایک ٹکڑہ اُس مقدس ذات کا ہے جو
مدینہ طیبہ میں موجود ہے اور جس کی عظمت اس پر مقدم ہے ۔
پس کیا صرف کربلاء معلیٰ کا اپنے قبضہ میں کرنا جزء ایمان
سمجھا گیا ہے اور مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی حفاظت کی فکر
بالائے طاق ہے ۔ مگر نہایت خوشی کی بات ہے کہ شاہ کج کلاہ
ایران نہایت روشن دماغ اور نہایت بے تعصب شخص ہیں
انہوں بجائے اس کے کہ ایسے وقت میں ایسے خیالات کے پابند
ہوتے ؛ سلطان ٹرکی سے اس بات کا وعدہ فرمایا ہے کہ ایران سے
پچاس ہزار جرار فوج ٹرکی کی امداد کے واسطے پہنچے گی اور
ایک عمدہ اور نہایت مدح کے لائق کام انہوں نے یہ کیا ہے کہ
اپنی قلم رو میں ایک اشتہار اس مضمون کا جاری فرمایا ہے کہ
تمام سنی اور شیعہ ایک ہی فرقہ اسلام کے دو گروہ ہیں اور یہ
دونوں باہم ایک ہی ہیں ۔ پس جو لوگ اس قسم کی باتوں کے
مرتکب ہوتے ہیں جس سے باہمی مخالفت بڑھے اور ایک فرقہ سے
دوسرے فرقہ کو اذیت پہنچے وہ ہرگز نہ کرنی چاہئیں اور اگر
کوئی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کے ساتھ ویسے ہی پیش آیا
جاوے گا ۔ اس اشتہار نے صرف یہی کام نہیں کیا کہ سنیوں کے
دل میں شاہ ایران کی بڑی عظمت اور وقعت پیدا ہوگئی بلکہ
اس سے یہ بھی بہ خوبی ثابت ہوگیا ہے کہ شاہ ایران نہایت
روشن دماغ شخص ہیں اور یہ بھی معلوم ہوگیا ہے کہ جو
نزاع آپس میں زیادہ کر دیا گیا ہے اُس کے باعث صرف وہ عوام
شیعہ ہیں جن کو کوچہ تہذیب میں دخل نہیں ملا ۔ ورنہ جو

حضرات خواص میں شمار کیے جاتے ہیں وہ ہرگز آپس میں مخالفت اور رنج کو پسند نہیں فرماتے اور جب اسلام پر کوئی حرف آتا ہو تو سب آپس میں متفق القلب ہو کر سب کی قومی عزت ایک ہی سمجھتے ہیں ۔ ہم نہایت خوشی کے ساتھ اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی ہم وطن بھی اب اسی طریقہ کو پسند کرنے لگے ہیں جس میں غیر محمود تعصب سے اجتناب ممکن ہو ۔ چناں چہ بعض نیک طینت لوگوں نے حضرات شیعہ میں سے بھی اس باب میں کوشش کرنے کا قصد کیا ہے کہ بے جا تعصب چھوڑ دیا جاوے اور جو رنج دہ طریقہ عوام میں ہے اُس کو مذمت یا ظلم ثابت کیا جاوے اور ہم نے سنا ہے کہ دہلی میں اس باب میں بعض لائق آدمیوں نے کامیابی حاصل کی اور ایک مستعد اور منصف شیعہ نے اس باب میں ایک رسالہ تحریر کیا ۔ ہماری دانست میں جس لائق شخص نے یہ رسالہ تصنیف کیا ہے بلا شبہ اس نے اپنی قومی تہذیب کی بنیاد ڈالی ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اس خیال کے سبب سے بڑی مدح کے لائق ہے اور جو لوگ اُس کی مخالفت میں کمر بستہ ہیں وہ اس ترقی کے زمانہ میں جو بالکل بے تعصبی کو پسند کرتا ہے ہرگز مدح کے لائق نہ ٹھہریں گے ۔ چوں کہ وہ رسالہ ہماری نظر سے نہیں گزرا اس سبب سے ابھی ہم اس کی نسبت کچھ زیادہ نہیں لکھ سکھتے اور اپنی اس رائے کے ذیل میں صرف اشتہار کو نقل کرتے ہیں جو حضرت شاہ ایران نے مشتہر فرمایا ہے و ہو ہذا :

ترجمہ اعلان شاہ ایران

جس روز سے اسلام حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی رسالت کے ذریعہ جہان میں محکم و برقرار ہوا ہے تمام مسلمان

باہم بھائی ہیں اور اصول دین و کتاب و قبلہ میں سب متفق اور ایک رائے ہیں اور اسی سبب سے بہ فضل خدا جو روز بروز مسلمانوں کی کثرت اور اسلام کی ترقی ہے اتفاق ہی کے باعث سے ہے اور اگر کچھ آپس میں بعض فروعی مسائل میں فرق بھی ہے تو وہ جزئی اختلاف ہے ، جیسے چار اماموں میں بھی بعض مسائل میں ایسا فرق ہے - یہ ذرا سا فرق دینی بھائیوں میں تفرقہ و جدائی کا باعث نہیں ہو سکتا - جس طرح فرقہ امامیہ اثنا عشریہ جعفری مذہب کی کمال حرمت کرتا ہے اسی طرح اہل سنت کو دینی برادر اپنا جانتا اور سمجھتا رہا ہے اور تمام بزرگ و اشرف مقاموں میں جیسے مکہ و مدینہ ہے اور سب زیارت گاہوں میں برابر شریک و داخل ہوتے ہیں اور نہایت سلوک اور ملاپ سے باہم خوش و خرم ہیں اور جو بات بعض شیعہ جاہل اپنی نادانی و ناواقفیت سے کہتے ہیں اور کرتے ہیں برخلاف رائے علمائے دین مبین کے ہے - اس میں سے ہرگز کوئی اس بات سے راضی نہیں اور کیوں کر ہو سکتا ہے کہ معاذ اللہ تبرا و سب و بغض اصحاب کبار و روسائے صحابہ سے مقبول رائے علمائے شریعت و عقلائے دانا کے ہو مگر ظاہر ہے کہ ہر ایک فرقہ اور ہر ایک وقت میں تمام مذہب کے علماء اپنے جاہلوں کو سب بد اعمال و بد اقوال سے نہیں روک سکتے جیسے سنا جاتا ہے کہ بعضی خوارج بھی خاندان اہل بیت رسالت سے کینہ رکھتے ہیں اور معاذ اللہ برا کہتے ہیں - لہٰذا لازم ہوا کہ سب کو عام اطلاع ہو جاوے کہ تمام اہل اسلام لحاظ و مروت شرع و آئین اسلام کا بڑا خیال رکھیں اور گفتگو میں بزرگان دین و خلفائے راشدین کے نام لیتے وقت قاعدہ ادب کو ہاتھ سے نہ دیں - اگر فی الواقع کوئی نادان جہالت کی راہ سے ایسی پوچ و رکیک

باتیں زبان پر لاوے تو حکام اور نوکران کچہری اس بات کے مجاز ہیں کی اعلیٰ درجہ کی زجر و تنبیہہ تادیب کریں اور ہرگز اسلامی بھائیوں میں رنج و عداوت نہ پیدا ہونے دیں اور حضرت سلطان روم خلد اللہ ملکہ سے بھی یہ امید ہے کہ وہ خوارج کو سبّ و شتم اہل بیت سے منع فرماویں اور ہمارے سب ملازموں کو چاہیے کہ جو بات غلط شیعوں کی نسبت منسوب ہے. اُس کے روکنے کو اپنا فرض سمجھیں کہ کوئی نادان احمق جاہل شیعہ بد زبانی نہ کرے - فوراً اُس شیطانی وسوسہ والے کو سزائے کامل دیں اور تعذیر عرفی و شرعی واجب جانیں -

---

یورپ کی موجودہ حالت

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ۲۴ نومبر ۱۸۷۶ء)

صاحب راقم "پانیر" نے جو ۱۰ نومبر کے پانیر میں اپنے کارسپانڈنٹ کی ایک چٹھی درج کی ہے اُس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب انگلستان، یورپ کے سلاطین کے دل سے ضرور اس خیال کو رفع کرنا چاہتا ہے کہ "انگلستان بزدل ہے" جب کہ جرمن اور فرانس کی باہم جنگ ہوئی تھی تو انگلستان کے سکوت کو لوگوں نے اُس کی بزدلی پر محمول کیا تھا اور انگلستان کی قوت کو ضعیف سمجھ لیا تھا۔ پس اب انگلستان ہرگز اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا کہ اُس پر بزدلی کا الزام باقی رہے اور وہ اپنی قوت بڑی بھاری جنگ سے ثابت نہ کر دے۔ اسی وجہ سے انگلستان کے وزیر کی یہ رائے ہے کہ انگلستان کو دل توڑ کر جنگ کرنی چاہیے اور روسیوں کے صفحۂ خاطر سے یہ خیال تلوار کی نوک سے چھیل دینا چاہیے کہ انگلستان بزدل اور کمزور ہے بلکہ یہ ثابت کرنا چاہیے کہ وہ تن تنہا بغیر کسی کی مدد کے جنگ کرنے پر آمادہ ہے اور اگر انگلستان ایسا کرے گا تو اس کے سبب سے بلاشبہ انگلستان کی عزت مستحکم ہو جائے گی۔

اگر بہ نظر انصاف دیکھا جاوے تو روس کی خود مختارانہ کارروائیاں ضرور انگلستان کی شوکت میں خلل ڈال رہی ہیں اور روس کے دماغی نشہ کو ظاہر کر رہی ہیں۔ روس کو کچھ اس بات کا خوف نہیں معلوم ہوتا کہ ہماری اس خود سری کا اثر

انگلستان کے دل پر کیا ہوگا اور انگلستان ہمارا کیا کر سکے گا۔ پس اگر روس کے ایسے خیالات کے بعد بھی انگلستان چپ رہے اور روس کی کارروائیوں کو آنکھوں سے دیکھا کرے تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ انگلستان کی عزت میں نہایت خلل آوے گا اور روس کے حوصلے انگلستان کی قوت کو بڑا دھبہ لگا دیں گے۔

کارسپانڈنٹ مذکور کی یہ بھی رائے ہے کہ انگلستان کی آمادگی سے روس کو یہ معلوم ہوگیا ہے کہ انگلستان اب صبر نہ کرے گا اور جو اثر بلگیریا کے ظلم کی خبروں کا انگلستان کے دل پر تھا وہ روس کے ارادوں نے بالکل رفع کر دیا ہے پس ضرور انگلستان ٹرکی کا ساتھ دے کر روس سے لڑے گا اور وہ اپنی نہایت بے نظیر قوت کے ظاہر کرنے کے واسطے اپنی جرار فوج کے سپاہیوں کا خون گرم کرے گا۔

اس میں کسی طرح کا شبہ نہیں ہے کہ جہاں تک ہو سکا انگلستان نے امن اور صلح کو قائم رکھا مگر اب امید نہیں معلوم ہوتی کہ یہی امن قائم رہے اور بغیر میدان میں آئے انگلستان کی شرکت کا اثر روس کے دل پر ہو۔

یورپ میں اب اس بات کو بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ جس طرح ۱۸۵۴ء کی جنگ اس گروہ کی غلطی سے ہوئی تھی جس کو ایسے معاملات میں مشورہ دینے کی لیاقت نہ تھی اسی طرح اب یہ لڑائی صرف بلگیریا کے ظلم کے حیلہ اور دھوکہ سے ہونے والی ہے اور اس بات کے تسلیم کرنے کے بعد ہماری دانست میں اس بات کا بہ خوبی جواب حاصل ہوتا ہے کہ اس خون ریزی کا الزام جو سرویہ اور ٹرکی کی لڑائی میں ہوئی کس کی جانب ہے اور سلطان روم انصاف کے لحاظ سے تمام سلطنتوں کے نزدیک معذور ہیں یا نہیں۔

ہم کو یقین ہے کہ جس وقت روس کو اس بات کا یقین ہوگیا کہ اب انگلستان بھی یورپ میں امن و امان قائم رکھنے پر آمادہ ہوگیا ہے اور وہ اپنی بڑی قوت کے بھروسہ پر اس معاملہ کو زور کے ساتھ طے کرنا چاہتا ہے تو پھر روس کے حوصلے پست ہو جاویں گے اور بلا شبہ روس کو سکوت کرنا پڑے گا۔ چناں چہ اسی وجہ سے جب کونٹ شنویلاف صاحب کو انگلستان کی طبیعت کا حال معلوم ہوا اور انھوں نے جانا کہ اگر روس کچھ قصد کرے گا تو ضرور انگلستان ٹرکی کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس پر انھوں نے امن قائم رکھنے میں کوشش کی گو ان کی کوشش کا کوئی اثر اب تک ظاہر نہیں ہوا۔

روس اپنی دانست میں اس وقت کو نہایت غنیمت سمجھ رہا ہے اور وہ جانتا ہے کہ انگلستان تن تنہا ہے مگر ہماری دانست میں یہ خیال روس کا بالکل غلط ہے۔ اگر انگلستان ٹرکی کی قوت کو اپنے ساتھ ملا لے گا تو روس کو یقین کرنا چاہیے کہ پھر روئے زمین کی قوت مل کر ٹرکی اور انگلستان کی قوت کو ضعیف نہیں کر سکتی اور اس میں ذرا شبہ نہیں ہے یہ دونوں قوتیں مل کر ایک ہو جاویں گی اور جو غلطی اب تک انگلستان نے کی ہے آئندہ وہ اس غلطی کو پسند نہ کرے گا۔

کارسپانڈنٹ مذکور کی یہ رائے ہے کہ گو ان تمام سامانوں کے دیکھنے سے جو اب تک یورپ میں جمع ہوئے ہیں اس باب میں تردد ہے کہ یورپ میں امن قائم رہے گا یا نہ رہے گا مگر ابھی تک کسی کو یہ بھی یقین نہیں ہے کہ خواہ مخواہ جنگ ہوگی بلکہ ظن غالب یہی ہے کہ جنگ نہ ہوگی۔ کیوں کہ جس وقت سے انگلستان نے اپنا قصد ظاہر کیا ہے روس نے اس بات کی درخواست کر دی ہے کہ ٹرکی آئندہ ان شرطوں پر صلح

کر لے کہ عیسائی گورنر مقرر کیے جاویں اور حکام دیسی تجویز کیے جاویں اور سرکیشیا والے نکال دیے جاویں اور ھمیشه کے انتظام کے واسطے ایک کمیشن مقرر ھو جاوے جس میں سے وہ شرطیں شاید ایسی ھیں کہ ٹرکی کو پہلے سے مد نظر تھیں۔ علاوہ اس سے رومی وزیر پہلے سے صلح کے خواھاں ھیں اور وہ نہیں چاھتے کہ بلا وجہ مخلوق کا خون بہایا جاوے مگر اس میں ذرا شبہ نہیں ھے کہ رومی وزیر بے عزتی کی صلح ھرگز نہیں کریں گے چناں چه جو مراسله مقام ویٹنا سے ۲۰ اکتوبر کے اور لینڈ میل کے نام آیا اُس سے صاف ظاھر ہے کہ رومی وزیر صلح کے خواھاں ھیں به شرطیکه اس صلح میں ٹرکی کی بے عزتی نه ھو۔

اس مراسله کے آخری حصه میں کارسپانڈنٹ لکھتا ھے کے کہ ترک نہایت شجاع اور بڑے بہادر ھیں۔ وہ کہتے ھیں کہ ھم کو ھرگز کسی کی مدد کی کچھ ضرورت نہیں ھے۔ ھم بلا مدد غیرے اکیلے روسیوں سے لڑیں گے اور جب اُن سے کوئی یه کہتا کہ تمھارے پاس سامان جنگ کہاں ھے روپیه تمھارے پاس کہاں ھے جو تم لڑو گے تو وہ نہایت استقلال سے یه جواب دیتے ھیں کہ ھم کو عیسائی فوج کے سے اخراجات کی کچھ ضرورت نہیں ھے بلکه ھم بہت تھوڑے روپیه میں لڑ سکتے ھیں اور اگر ھم کو ھماری حاجت کے موافق روپیه کی ضرورت ھوگی تو ھم کو اُس قدر روپیه مہیا ھو جاوے گا۔

وھی کارسپانڈنٹ لکھتا ھے کہ روسیوں کی حالت سے معلوم ھوتا ھے کہ خداوند تعالیٰ نے ترکیوں کی فطرت میں خوف رکھا ھی نہیں ھے اور اگر اُن پر به جز لڑائی ڈالی جاوے گی تو وہ دم اخیر تک اُس کی برداشت کریں گے۔

کارسپانڈنٹ مذکور کی اس رائے کے دیکھنے کے بعد اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ ترکیوں کا یہ مقولہ کہ ہم سات برس کے بچہ سے لے کر ستر برس کے بوڑھے تک ہتھیار باندھ لیں گے اور جس سلطنت پر ہم نے پانچ سو برس سے بڑے زور کے ساتھ حکومت کی ہے اس کو باقی رکھیں گے بلا شبہ صحیح ہے اور جس حالت میں ایسے سپاہی انگلستان کے ساتھ یک دل ہو جاویں گے تو روس کی وہ فوج جو بخارا کے گرد میں چند وحشی قوموں کو مار کر شیر ہوگئی ہے انگلستان کے مقابلہ میں نہایت بزدل ثابت ہوگی اور جو خیالات اس کے دماغ میں خیالی پلاؤ کی طرح پک رہے ہیں وہ فوراً اس تلوار کے زخم سے اڑ جاویں گے جو اپنی نہایت چمکتی دھار کے پہلے ان کی نظروں کو خیرہ کر دے گی۔

اب کسی طرح کا شبہ نہیں ہے کہ انگلستان ہرگز اپنے ذمہ بزدلی کا الزام نہ لے گا اور مردانہ وار اپنی قوت و سلطنت کو یورپ میں ظاہر کرنے کا قصد کرے گا جس کے سبب سے روس کے ارادوں کی مزاحمت ہو سکے۔